کائنات اور ہم

آج کے اِنسان کا علم ماضی کے اِنسان
سے کہیں زیادہ ہے ___ لیکن
آج کا اِنسان کائنات کے بارے میں
کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا ___ جبکہ
ماضی کے اِنسان نے کائنات کے
بارے میں حرفِ آخر کے طور پر
بہت سارے دعوے کیے!

عنایت

Marfat.com

کائنات اور ہم

نئے سفر کا آغاز

(فلسفیانہ انداز فکر)

غیاث چودھری

ٹیکنیکل پبلشرز اردو بازار لاہور

Marfat.com

ضابطہ

اشاعت	اول
تعداد	۱۰۰۰
سال اشاعت	۱۹۹۴ء
ناشر	ٹیکنیکل پبلشرز اردو بازار' لاہور
مطبع	معراج دین پرنٹرز لاہور
تزئین سرورق	حسن الدین اشرف خاں
حقوق	بحق مصنف محفوظ
تعاون	ماہ ادب
ملنے کا پتہ	ٹیکنیکل پبلشرز اردو بازار' لاہور
قیمت	۹۰/- روپے
کمپوزنگ	معیار کمپوزرز ۷۱۶- بی سیٹلائٹ ٹاؤن' گوجرانوالہ فون: (0431-251248)

سرورق : یہ تصویر ہماری گلیکسی کے ایک چھوٹے سے حصے کی ہے جس کو نارتھ امریکن نیبولا کہا گیا ہے جو کائنات کے لامتناہی سلسلے کی نمائندگی کرتا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر ظفر مرزا،

جن کی نظریاتی

ہم آہنگی پر

مجھے اپنی ذات

کے تسلسل کا

گمان ہوتا ہے

Marfat.com

فہرست

۱	حرف اول	ڈاکٹر نعیم احمد	۷
۲	حرف ثانی FOREWORD	ڈاکٹر ثقلین ایف حلیم	۹
۳	حرف ثالث	قاضی جاوید	۱۲
۴	مقدمہ	مصنف	۱۶
۵	انسانی تاریخ کا سائنسی تناظر میں جائزہ		۱۹
۶	انسانی ذہن کا ارتقاء		۴۷
۷	فلسفہ بطور مادی علم		۵۳
۸	فطری عمل اور انسانی ذہن		۵۷
۹	ماضی کے انسان سے آج کا انسان زیادہ عقل مند ہے		۶۰
۱۰	زمان و مکان اور لامکان		۶۳
۱۱	وقت اور موت		۶۷
۱۲	مادہ اور ذہن کی تخصیص		۷۴
۱۳	انسانوں میں ذہنی اختلافات کے اسباب		۷۶
۱۴	تعلیمات انسان کو برائی سے نہیں روکتیں		۸۰
۱۵	اوصاف خداوندی		۸۶

۱٦	وحدت الوجود اور روح کا مسئلہ	۸۸
۱۷	عورت اور مرد کا دماغ	۱۱۳
۱۸	ظلم اور جبر سے نجات کیسے ہو؟	۱۱۵
۱۹	انسانی مسائل اور ان کا حل	۱۲۵
۲۰	فطرت میں سب برابر ہیں	۱۳۴
۲۱	حیوان بھی ذہانت کا استعمال جانتے ہیں	۱۳۸
۲۲	جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز نہیں ہوتا	۱۴۰
۲۳	سانچ کو آنچ آتی ہے	۱۴٦
۲۴	مسلمانوں کی مسلسل زوال پذیری کے اسباب	۱۴۹
۲۵	فلاسفہ حضرات کی کمزوریاں	۱۵۷
۲٦	امریکن صدر کے نام	۱٦۱
۲۷	نابغہ ہائے روزگار	۱٦۹
۲۸	زمین کی طبعی عمر اور انسانی کردار	۱۷۴
۲۹	برصغیر کے سو سال اور تقسیم ہند کے اسباب	۱۷۷

Marfat.com

حرف اول

غیاث چودھری کا نام اب محتاج تعارف نہیں رہا۔ گزشتہ کئی برس سے وہ مختلف اخبارات میں سنجیدہ موضوعات پر مضامین لکھ رہے ہیں۔ چند سال قبل ان کی ایک کتاب "سچ کا دم گھٹتا رہا" چھپی تھی۔ یہ کتاب ملک کے نامور دانشوروں کے انٹرویوز پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں غیاث چودھری صاحب نے ایک ہی بنیادی سوال اٹھایا ہے "سچ کی عملداری جھوٹ کے مقابلے میں کم کیوں ہے جب کہ ہر کوئی سچ ہی کا حامی یا دعویدار ہے؟" اس سوال کا جواب انہوں نے جن مفکرین سے حاصل کیا ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں جناب احمد ندیم قاسمی' ڈاکٹر انور سدید' پروفیسر جیلانی کامران' جناب ظہیر بابر' ڈاکٹر وحید قریشی' ڈاکٹر وزیر آغا مندرجہ بالا سوال کے جو جوابات انہوں نے حاصل کئے ان کا مطالعہ نہایت دلچسپ ثابت ہوا اور کتاب نے قارئین میں بڑی پذیرائی حاصل کی۔

۱۹۹۳ء میں ان کا مجموعہ کلام "ردائے لامکاں" شائع ہوا جو سنجیدہ اور مقصدی شاعری کے حامیوں میں بالخصوص بہت مقبول ہوا۔ "ردائے لامکاں" میں غیاث صاحب نے اہم فکری موضوعات پر قابل تحسین طبع آزمائی کی ہے۔ انہوں نے اپنی موضوعی واردات قلب کو فکری اور علمی پس منظر میں نہ صرف ایک منفرد انداز میں بیان کیا ہے بلکہ سخنوری کے جمالیاتی تقاضوں کے عین مطابق فلسفیانہ انداز فکر میں بہت سارے سوالات بھی اٹھائے ہیں۔

غیاث صاحب بنیادی طور پر ایک سائنس دان ہیں۔ انہوں نے اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ انجینرنگ یونیورسٹی میں سائنس کی تدریس میں گزارا ہے۔ انکے شاگرد ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان سے حاصل ہوئے فیض کو عام کر رہے ہیں۔ طویل سائنسی تدریس و تحقیق نے ان کے ذہن کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے کہ حیات و کائنات کے بارے میں وہ اپنے ایک مخصوص نقطہ نظر سے غور و تامل کرتے ہیں۔ سائنسی تربیت انہیں اقلیم فلسفہ میں لے آئی ہے۔ فلسفہ کے باقاعدہ مطالعہ سے ان کی ادبی اور شاعرانہ صلاحیتوں کو جلا ملی ہے۔ چنانچہ انہوں نے روایت اور رسوم کی مروجہ نہج سے اعراض کیا اور اپنے نظریات و افکار کے اظہار کیلئے

Marfat.com

ایک یکسر نیا اسلوب ڈھونڈا۔ عام آدمی کو ان کے اشعار میں زمان و مکان اور اضافیت کا ذکر بڑا عجیب لگتا ہے لیکن غیاث صاحب کا خاصہ یہی یہ ہے کہ وہ شاعری کو علمی اور سائنسی افکار کے اظہار کا ذریعہ بناتے ہیں بلکہ لطیف جذبات کو شعری قالب میں ڈھالتے ہوئے بھی سائنسی اور فلسفیانہ ذہنی پس منظر کے اندر ہی رہتے ہیں جو کہ ایک انوکھا انداز فکر بھی ہے اور ایک نیا اسلوب بیاں بھی ہے۔

غیاث چودھری صاحب کی تازہ فکری کاوش "کائنات اور ہم" ایک ایسی کوشش ہے جو عہد حاضر میں کئی اعتبار سے نہ صرف انفرادیت کی حامل ہے بلکہ یہ کتاب کئی لحاظ سے بہت اہم بھی ہے جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مضامین کا تنوع ہے۔ انسانی تاریخ' علمیات' تصوف' حقوق نسواں اور سائنسی موضوعات کے ساتھ ساتھ انہوں نے تعلیم' فلسفہ' سیاسیات اور وقت اور موت جیسے ادق مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔ جس سے انسانی مسائل پر ان کی مضبوط گرفت کا احتمال ہوتا ہے۔ دراصل یہ کتاب ان کے مضامین اور مقالات پر مشتمل ہے جو گزشتہ برسوں مختلف جرائد و رسائل میں وقتاً" فوقتاً" شائع ہوتے رہے ہیں۔ اخبارات کے توسط سے ان کے خیالات بیرون ملک پاکستانیوں تک بھی پہنچے اور انہوں نے خط و کتابت کے ذریعے ان سے کئی استفادات بھی کئے جو کہ اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ دیار مغرب میں رہنے والے پاکستانیوں کو ان کا سائنسی طریق فکر پسند آیا ہے "کائنات اور ہم" غیاث صاحب کے پختہ اور ترقی یافتہ فکر کی غماز ہے جس کی بے شمار جہتوں میں فکر و خیال کی وسعتیں قارئین کو بے خوف و خطر غور و تامل پر اکساتی ہیں ڈاکٹر وزیر آغا غیاث چودھری کے بارے میں کہتے ہیں "مکاں سے لامکاں تک ان کا سفر اور خاک سے افلاک تک ان کی پرواز اپنے اندر طلب کی جس صداقت اور عبادت کے جس استغراق پر محیط ہے وہ غیاث چودھری ہی کا حصہ ہے" اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مکاں سے لامکاں اور خاک سے افلاک تک غیاث چودھری کی مشاقانہ اور ان تھک پرواز کا نام "کائنات اور ہم" ہے۔

ڈاکٹر نعیم احمد
پروفیسر آف فلاسفی
پنجاب یونیورسٹی لاہور

۲۶ر مارچ ۱۹۹۳ء

Marfat.com

حرف ثانی

FOREWORD

Man has certainly come a long way. All pointers of time suggest that the modern man has passed the test of time through various evolutionary stages and, at times, harsh climatic conditions. The human specie has not only survived but improved itself along the way which is at the heart of the Darwin's theory of evolution. Evolution does not necessarily means changes in physical characteristics only. In fact, mind has also developed in a way that it can take on the challenges of the changed environment.

As far back in time as history takes us, it is observed that man has been asking questions in order to know about its ownself, the universe, the God, and the purpose of it all. The human mind is filled with inquisitiveness. In order to satisfy this particular need, man has, in all periods of time, struggled to seek answers to his questions encompassing a wide array of issues. Philosophers have put forwards numerous ideas to this effect. However, even some of the finest and most logical answers have failed to satisfy the curiosity of mind.

An interesting aspect of the human scenario is that as some of the questions get answered, an ever increasing number of further questions emerge. And then the quest for knowledge continues.

Marfat.com

Today, man is talking about cloning of humans. Although it may appear to be a far fetched fictional idea, it sure does possess potential for realization. In recent times, science has progressed at an accelerated pace and has ventured boldly in the areas of the unknown. However, not every thing can be put to the test of science. Or may be it is untrue as we may not presently possess enough knowledge to know any different. Many a things were considered mysteries at one time but gradually the science has been able to provide answers. In the like manner, it is quite possible that some day, some of our current questions may find their answers.

Life is much more than simple eating and sleeping. There is so much to know and once an individual proceeds with the path of inquiry, the joys of coming face to face with certain realizations are enormous and very satisfying. It is important that more of us are made aware of certain issues so that, may be, more of us employ our minds to probe into these areas with a possibility of success with reaching the truth. Evolution demands constant change and that, at least, is one fine reason for us not to slow down or to stop pursuing the unknown areas.

A part from some of the fundamental questions, many other issues are a matter of concern. Issues involving areas such as ethics, morals, wars, crime, conflicts, and the like also demand attention. Frankly, no solution can be devised without identification of a problem. Similarly, no answer can be sought without formulation of a question.

It is absolutely necessary that thought provoking questions be posed. Questions that make people aware and prompts them for action. "KAINAT AUR HUM," discusses and raises many questions in a variety of areas. In many ways, the author, Mr. Ghias Chaudhry, has attempted to approach these issues from a different perspective. The attempt is commendable as some serious issues have been discussed in a simple manner, thus, making it a very readable and very understandable book.

We must not forget that it is the age of science and technology. Many advancements have been made. Only during this century, man not only learnt to fly but he managed to land on moon and has probed deeper reaches of the universe. Why is man doing all this? Well, it is to satisfy the need to know, to understand our environment, to understand our universe, to understand ourselves, and to understand god.

DR. SAQLAIN F. HALIM
DEAN
PUNJAB COLLEGE OF BUSINESS
ADMINISTRATION (PCBA),
LAHORE.
MARCH 24, 1994

Marfat.com

حرف ثالث

دانش ور اور شاعر کی حیثیت سے غیاث چودھری ہمارے ذہنی و ثقافتی حلقوں میں اپنا مقام بنا چکے ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں انہوں نے "سچ کا دم گھٹتا رہا" کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی تھی۔ اردو ادب میں یہ ایک نئے انداز کی کتاب تھی۔ اصل میں غیاث چودھری صاحب نے ایک بنیادی سوال اٹھایا تھا اور ملک کے ممتاز دانش وروں' ادیبوں اور دوسری نمایاں شخصیتوں کو اس سوال پر غور و فکر کی دعوت دی تھی۔ ان کا سوال یہ تھا کہ "سچ کی عملداری جھوٹ کے مقابلے میں کم کیوں ہے' جب کہ ہر کوئی سچ ہی کا حامی یا دعویدار ہے؟

یہ سوال منافقت اور ریاکاری کو طرز زندگی کے طور پر قبول کرنے والے معاشرے پر گہرے طنز کو ظاہر کرتا ہے' لیکن سنجیدہ غور و فکر کی دعوت بھی دیتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب سبھی ایک حمام میں ننگے ہوں تو پھر اس قسم کے سوالات پر سوچنے اور جواب دینے میں کسے دلچسپی رہتی ہے۔ اس حوالہ سے دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ غیاث چودھری صاحب ۲۳ ممتاز شخصیتوں سے اپنے سوال کا تحریری جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان شخصیات کا تعلق زندگی کے گوناگوں پہلوؤں اور خاص طور پر ادب و فکر سے تھا۔ جواب حاصل کرنے کے بعد غیاث چودھری نے انہیں کتاب کی صورت میں مرتب کرایا اور یقیناً یہ جوابات اس قابل ہے کہ وہ کسی کے ذاتی درزا میں بند رہنے کے بجائے بہت سے لوگوں تک پہنچیں۔ یہ کتاب پڑھی گئی اور پسند بھی ہوئی۔

بعد ازاں' گزشتہ برس' غیاث چودھری صاحب کا مجموعہ کلام "ردائے لامکاں" کے عنوان سے شائع ہوا اور یوں ان کی تخلیقی شخصیت کا ایک اور پہلو منظر عام پر آیا۔

میں نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ ان دونوں کتابوں میں آیا کوئی ربط موجود ہے؟ شاید اس ربط کو تلاش کرنا زیادہ دشوار نہیں ہے۔ کیونکہ ربط موجود ہے اور واضح بھی ہے۔ غیاث چودھری کے سوال کی طرح ان کی شاعری بھی فکری نوعیت

Marfat.com

کی ہے اور اس امر کا اندازہ تو کتاب کے عنوان یعنی "ردائے لامکاں" سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس مجموعے میں جو نظمیں شامل ہیں ان میں سے بعض کے عنوان "لامکان، اقبال، ماورا اور سعی ناتمام ہیں اور یہ عنوان ایک خاص ذہنی رویے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کتاب میں شامل غزلیں بھی فکری اور ذہنی شاعری کی ذیل میں آتی ہیں۔

غیاث چودھری اپنے ذہنی سفر کا ایک اور مرحلہ "کائنات اور ہم" کی اشاعت سے طے کر رہے ہیں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب فکری (بلکہ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ فلسفیانہ) کتاب ہے۔ اس میں مختلف فکری، ثقافتی، بشریاتی اور سماجی مسائل پر چودھری صاحب کے مضامین شامل ہیں۔ کتاب کا آغاز سائنسی تناظر میں انسانی تاریخ کے جائزے سے ہوتا ہے اور ظلم و جبر سے نجات کے طریقوں کی نشاندہی کرتے ہوئے تقسیم ہند کے اسباب پر انجام پذیر ہوتی ہے گویا ایک ذہنی تسلسل ہے جو ابتدا سے انتہا تک موجود ہے اور یہ کتاب ایک ذہنی سفر کی رو تیداد ہے۔ "کائنات اور ہم" اگرچہ کہنے کو مضامین کا مجموعہ ہے۔ لیکن عام مجموعوں کی طرح بے ربط تحریروں پر مشتمل نہیں ہے۔ تسلسل صرف موضوعات میں نہیں، بلکہ طرز فکر میں بھی ہے اور دیکھا جائے تو اس کتاب میں اہم ترین خوبی مصنف کا طرز فکر ہے۔ غیاث چودھری صاحب سائنسی اور لبرل سوچ رکھنے والے دانش ور ہیں۔ وہ آج کی زندگی کو، روح عصر کو اور اس کے تقاضوں کو سمجھتے ہیں۔ اس دنیا کو درپیش مسائل پر غور و فکر کرتے ہیں اور معروضی انداز میں حل تلاش کرتے ہیں۔

"کائنات اور ہم" کی اولین چند سطور ہی مصنف کے اس انداز فکر کی نشاندہی کراتی ہیں جب کہ وہ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ انسان زمانہ قدیم سے کائنات کی حقیقت کا فہم حاصل کرنے اور اس کے مخفی رازوں کو افشا کرنے کی تگ و دو کر رہا ہے۔ یہ سلسلہ ان گنت صدیوں سے جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔

یہ تصور سائنسی منہاج کی روح ہے۔ سائنس عقیدے نہیں دیتی۔ بلکہ مسائل حل کرنے کا طریقہ کار فراہم کرتی ہے۔ یہی سائنس کی سب سے بڑی عطا ہے۔ سائنس ارتقا کا نام ہے، کیونکہ کوئی سائنس نظریہ حتمی یا مطلق نہیں ہوتا، اسے

کبھی حرف آخر کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ نئے نئے، مسائل، نئے نئے انکشافات سائنسی نظریوں کی توڑ پھوڑ کرتے رہتے ہیں۔ یوں حقیقت کی دریافت کا عمل جاری رہتا ہے۔

روایت پرست چونکہ حتمی اور مطلق نظریوں کے دلداہ ہوتے ہیں' اس لئے وہ سائنسی نظریوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ بہر طور سائنسی طرز فکر میں یقین رکھنے والے غیاث چودھری ارتقا کو قانون فطرت مانتے ہیں اور روایت سے انحراف کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اس قسم کے انحراف کے بغیر حقیقت کی دریافت کا عمل جاری نہیں رہ سکتا۔

روایت سے انحراف اور ارتقا میں یقین نے ہمارے اس دانش ور کو انسانوں پر ایسا اعتبار مہیا کیا ہے جو روایت پرستوں کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ غیاث چودھری اصرار کرتے ہیں کہ آج کا انسان ماضی کے انسان سے زیادہ عقل مند ہے۔ آج کا انسان تجربے سے مالا مال ہونے کے علاوہ علم اور مشاہدہ بھی رکھتا۔ وہ ماضی کی ان گنت توہمات اور فرسودہ رسومات سے' عقیدوں سے نجات حاصل کر چکا ہے۔ "جیسے جیسے ماضی میں پیچھے کی طرف ہٹتے چلے جائیں ایسے حالات نظر آتے ہیں کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ظلم اور زیادتی کا شکار نظر آتا ہے۔ لیکن موجودہ وقتوں میں ایسی صورت حال نہیں۔ آج کے انسان نے صرف بے شمار توہمات سے نجات حاصل کرنی ہے' بلکہ ہزاروں بیماریوں اور ہزاروں قدرتی آفات سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس بات کا ثبوت ہے کہ آج کا انسان نہ صرف زندگی کے علوم ہیں ماضی کے انسان سے بہتر ہے' بلکہ ماورائی علوم میں بھی ماضی کے انسان سے بہتر پوزیشن میں ہے"۔

یہ رجائی' لبرل اور سائنسی انداز فکر غیاث چودھری کی شناخت ہے۔ (شبلی کا یہ جملہ آپ بھولے نہ ہوں گے کہ ہماری ترقی یہ ہے کہ ہم پیچھے ہی پیچھے چلے جائیں) وہ پوری نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے داعی ہیں۔ لیکن اصل کے اعتبار سے مسلمان ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کی پستی اور زوال پر آنسو بھی بہاتے ہیں اور ان کے آفاقی فریم آف ریفرنس میں مسلمانوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

Marfat.com

غیاث چودھری نے مسلمانوں کی پستی و زوال کے اسباب تلاش کرنا چاہے ہیں اور جیسا کہ توقع کی جاسکتی ہے' انہوں نے ایسے اسباب واضح کیۓ ہیں جو عام مسلمان دانش وروں کی نظروں سے مخفی رہے ہیں۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ ہوس زر اس زوال کا بڑا سبب ہے۔ علاوہ ازیں قول و فعل کے تضاد نے بھی اس پستی میں حصہ لیا ہے۔ ایک بات انہوں نے یہ بھی کہی ہے کہ "بچوں کو ہم یہ تعلیم دیتے ہیں کہ زمین خدا کی ہے اور چونکہ خدا ہمارا ہے' اس لئے تمام ممالک بھی ہمارے ہیں۔ دوسری غیر مسلم قومیں جو باقی ملکوں پر قابض ہیں' ہم نے ان سے جنگ کر کے ملک واپس لینے ہیں"۔ اس زبردستی کی بات کو کس طرح روحانی یا اخلاقی تعلیم کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ آج کی دنیا میں اس طرح کا پرچار معصوم ذہنوں میں زہر بھرنے کے مترادف ہے۔

زیر نظر کتاب میں غیاث چودھری نے بہت سے ایسے مسائل اٹھائے ہیں جو خاص فلسفے کا حصہ ہیں اور جن پر صدیوں سے بحث ہو رہی ہے۔ ان میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود' وقت اور موت کے مسائل' مادہ اور ذہن کی تخصیص کے مسائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بلاشبہ ان مسائل پر بحث کر کے انہوں نے یہ مسائل ہمیشہ کے لئے حل نہیں کر لیے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان مسائل پر غیاث چودھری کی رائے سامنے آگئی ہے۔ یہ کتاب بحث پر' غور و فکر پر اکساتی ہے۔ تبادلہ خیال کی دعوت دیتی ہے۔ وہ معلومات کے ساتھ ساتھ زاویہ نظر اور بصیرت عطا کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ ایک مکمل اور توانا کتاب ہے۔ اردو کے فکری ادب میں اس کی اشاعت سے اچھا اضافہ ہو رہا ہے۔

قاضی جاوید
ریذیڈینٹ ڈائریکٹر
اکیڈمی ادبیات لاہور

۲۸ر مارچ ۱۹۹۴ء

Marfat.com

مقدمہ

خراج تحسین پیش کرتا ہوں میں ان عظیم ہستیوں کو جنہوں نے کائنات کے لا تعداد مخفی رازوں کو بے نقاب کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور ان سچائیوں کو تلاش کرنے کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں جن کو جان لینے کے بعد نوع انسان جہالت اور گمراہی کے عمیق اندھیروں سے نکل کر علم و آگہی کی بیکراں وسعتوں میں اپنی ذہانت کی ہزاروں پرتیں کھولنے کے قابل ہوئی ہے میری مراد ان دانشوروں سے ہے جن میں فلاسفہ' ماہرین فلکیات' ریاضی دان اور سائنس دان شامل ہیں جنہوں نے کائناتی حوالے سے غلط تصورات کے پردے چاک کئے اور علمائے سو جیسے لوگوں کے تیر و نشتر کا نشانہ بھی بنتے رہے لیکن کبھی بھی عقل سلیم کا ساتھ نہ چھوڑا اور اس کی رہنمائی میں اپنی جدوجہد ہمیشہ جاری رکھی۔ ایسے لوگوں کے ساتھ زیادتیوں کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک عوام الناس کی اکثریت علم کی روشنی سے آشنا نہیں ہوگی کیونکہ انسانی عقل و شعور کے حوالے سے انسان کے اندر دو ایسے اوصاف ہیں جو بدستور اس کے ساتھ چلے آرہے ہیں اور مسلسل ارتقا پذیر بھی ہیں۔ ایک وصف تو انسانی خواہشات کا ہے جو بڑھ رہا ہے' مضبوط ہو رہا ہے اور پختہ حقائق کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔ دوسرا وصف انسان کی عقل ہے جو ذہانت کی شکل میں ارتقا پذیر ہے یہ دونوں اوصاف فطری ہیں جبکہ پہلا وصف بندے کیلئے مسائل پیدا کرتا ہے اور دوسرا مسائل کو حل کرنے میں پورا پورا تعاون کرتا ہے اسی وصف نے انسانوں کو حیوانوں سے ممتاز کیا ہے۔ میری اس تصنیف کا مقصد اس وصف کی بالادستی ثابت کرنا ہے اور میرا مقصد حیات اپنے نظریئے کو اجاگر کرنا ہے کہ "انسانی ذہن کو غور و فکر کی آزادی ہو' اس کی ارتقا پذیری میں اسے ہر ممکن معاونت ملے' اور سائنسی انکشافات کی حوصلہ افزائی ہو" تاکہ عقل انسانی کو زیادہ سے زیادہ فروغ حاصل ہو اور انسانی خواہشات کو معقول حد سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے کیونکہ یہ جس رفتار سے بڑھتی جائیں گی اسی رفتار سے مسائل بڑھتے جائیں گے اور عقل کیلئے کام کا بوجھ

اتنا زیادہ ہو جائے گا کہ اسے چوبیس گھنٹوں میں کئی شفٹوں میں کام کر کے مسائل حل کرنے پڑیں گے جس سے ذہانت کی جمالیاتی حس بہت بری طرح مجروح ہوتی ہے اور انسانی کردار کی اصالت پھر سے حیوانیت کی طرف مائل ہونے لگتی ہے' جو آدمی اپنی عقل کے آرام و آسائش کا خیال نہیں کرتا وہ اپنے مسائل میں بہت زیادہ اضافہ کر لیتا ہے۔ عقل انسان کی سب سے بہترین اور عظیم ساتھی ہے بشرطیکہ اسے منفی طرز عمل کیلئے استعمال نہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں یہ کبھی انسان کی غلط رہنمائی نہیں کرتی۔ انسان جب بھی کوئی غلطی کرتا ہے اپنی خواہشات سے یا اپنی انانیت سے مغلوب ہو کر کرتا ہے جب کبھی انسان عقل سے مغلوب ہوتا ہے تو اس کے اطوار میں شائستگی اور نفاست آ جاتی ہے۔ جو کہ انسانی اصالت ہے۔ اگر انسان کی کوئی بہت ہی قیمتی متاع کھو جائے تو اس کو بہت ہی دکھ ہوتا ہے لیکن وہ پاگل نہیں ہوتا' کسی کا محبوب بچھڑ جائے تو اسے بہت دکھ ہوتا ہے لیکن وہ پاگل نہیں ہوتا کسی کا پورا گھر لٹ جائے تو وہ پاگل نہیں ہوتا اور کسی کی ساری زندگی کی جمع پونجی چھن جائے تو وہ بھی پاگل نہیں ہوتا لیکن اگر عقل کسی کا ساتھ چھوڑ جائے تو وہ پاگل ہو جاتا ہے۔ آپ کسی مسئلے کے حل میں الجھے ہوئے ہوتے ہیں اور مسئلہ حل نہ ہونے کی صورت میں آپ تذبذب کا شکار رہتے ہیں لیکن جونہی آپ کو کامیابی حاصل ہوتی ہے تو آپ سراپا انبساط ہو جاتے ہیں یہ کمال ہے آپ کی عقل سلیم کا جو صحیح معنوں میں آپ کا ہمزاد ہے۔ انسانی عقل اس کے ضمیر کے تحت کام کرتی ہے اور کسی آدمی کا ضمیر کبھی غلطی نہیں کرتا کیونکہ سب کا ضمیر سراپا خیر ہوتا ہے اور ہمیشہ خیر کی حالت میں ہی رہتا ہے۔ خواہشات کا غلبہ انسانی ضمیر کو کام کرنے سے روک دیتا ہے۔ جن ہستیوں کو میں نے خراج تحسین پیش کیا ہے وہ عظیم لوگ اپنی زندگیوں میں جس وصف سے زیادہ مغلوب رہے وہ عقل سلیم ہے جس کی رہنمائی میں انسان ایک سیارے سے پرواز کر کے دوسرے سیارے تک پہنچا ہے۔ روئے زمین پر جو کچھ بھی ہم دیکھ رہے ہیں یہ تمام نقش و نگار عقل سلیم کے ہی کرشمے ہیں۔

ماضی میں جن قوتوں نے فلسفیانہ سوچ اور سائنسی تجربات کا راستہ روک رکھا تھا

Marfat.com

وہ تمام کی تمام قوتیں مختلف ادوار میں زیادہ تر مذہبی مکاتب فکر کی پیدا کردہ تھیں۔ لیکن آج کی صورت حال اس بات کی متقضی ہے کہ سائینسی علوم کا فروغ انسانی مسائل کے حل میں سب سے زیادہ معاون ہو سکتا ہے اور یہ شعور مغربی ممالک میں تعلیم عام ہونے کی وجہ سے ہی بیدار ہوا ہے۔ جس طرح سرسید نے کہا تھا کہ ہماری نسل کی انگریز کی غلامی سے نجات کیلئے اس کی زبان اور لٹریچر کا مطالعہ ضروری ہے اور ہم نے دیکھا کہ سرسید کا کہنا اس وقت ٹھیک تھا۔ آج کی صورت حال یہ ہے کہ آنے والی نسلوں کے مسائل کا حل سائینسی علوم کے فروغ میں مضمر ہے لیکن آج انسانی شعور اس قدر بیدار ہو چکا ہے کہ کوئی قوم کسی قوم سے نجات کی بات کرے تو اس کی یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ تمام قوموں نے' تمام مکاتب فکر نے اور پوری نوع انسان نے اسی گلوب پر رہنا ہے اور میں پوری نوع انسان کی فلاح کا داعی ہونے کی حیثیت سے کہنا چاہتا ہوں کہ آنے والی نسلوں کو زیادہ سے زیادہ سائینسی علوم سے آشنا ہونا چاہئے اور تمام ممالک میں' پوری دنیا میں ایسا ہونا ہی انسانی بہتری کا سبب بن سکتا ہے۔۔ ان خیالات کی روشنی میں ہی میں نے فلسفیانہ مضامین اور نظریئے کو عام آدمی کی سطح پر لا کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ عقل سلیم فلسفہ ہے' سائنس اس کی عملی صورت ہے۔ عقل سلیم حلم (رحم دلی) اور محبت ہے۔ یہ ممتاز جذبوں کو جنم دیتی ہے روئے زمین پر تمام چھوٹے اور بڑے شاہکار عقل سلیم کے ہی مرہون منت ہیں۔ یہ انسانی کردار میں عظمت اور جلا پیدا کرتی ہے۔ عقل سلیم سے آراستہ انسانی کردار تادم مرگ غلط کار نہیں ہوتا جبکہ انسانی خواہشات نفرت اور وحشت کا باعث بنتی ہیں اس لئے انسانی عقل کے ارتقا کا راستہ روکنا شر ہے اور اس کے ارتقا میں معاونت کرنا خیر ہے۔

غیاث

۲۴ مارچ ۱۹۹۴ء

GUJRAT, KAR

Marfat.com

انسانی تاریخ کا سائنسی تناظر میں جائزہ

جب سے انسانی شعور نے آنکھ کھولی ہے اس وقت سے انسان کائنات کی حقیقت اور اس کے مخفی رازوں کو افشا کرنے کی تگ و دو کر رہا ہے اور جب تک کوئی تسلی بخش صورتحال سامنے نہیں آ جاتی اس وقت تک یہ جستجو کسی طرح بھی رک نہیں سکتی اس جستجو کے راستے میں بے شمار مشکلات پیدا کی جاتی رہی ہیں اور اس میدان میں اترنے والوں کو اذیت ناک سزائیں دی جاتی رہی ہیں اور مختلف طریقوں سے ان کو اس مہم سے باز رکھا جاتا رہا ہے لیکن وہ انسانیت کے محسن اپنی دھن میں پوری ثابت قدمی اور غیر متزلزل ارادوں سے کام کرتے رہے ان کی اس جہد مسلسل میں انہیں جو کچھ معلوم ہو سکا اسے پورے خلوص کے ساتھ منصہ شہود پر لاتے رہے چاہئے انہیں ان انکشافات کی کچھ بھی قیمت ادا کرنا پڑی اس کارخانہ قدرت کی بے کراں پہنائیوں میں پرواز کرنے والے اور اس کی بے انتہا گہرائیوں میں غوطہ زن رہنے والے تمام محققین بے حد قابل احترام ہستیاں ہیں انہوں نے تحقیقی میدان میں جو بھی کارنامے سر انجام دیئے ہیں وہ ان کی عظمت کے ستون ہیں ان کے کارہائے نمایاں ہی کا ثمر ہے کہ آج نوع انسان ہزاروں توہمات کے عذابوں سے نجات حاصل کر رہی ہے۔

زمانہ جہالت سے لیکر اب تک جتنے بھی فلسفہ دان سائنس دان ہیئت دان اور موجد حضرات نے جتنے بھی نظریئے اپنے اپنے میدان میں پیش کئے ہیں اگرچہ ان کے بعض نظریئے آج غلط ثابت ہوئے ہیں پھر بھی یہ بات ان کے لئے باعث تحقیر ہرگز قرار نہیں دی جاسکتی کیونکہ انہوں نے اپنے وقت کی حاصل شدہ سہولتوں کے مطابق اپنی دانش کے بہترین نتائج ہمارے سامنے پیش کئے تھے ماضی بعید میں پیش کئے گئے بعض نظریئے آج بھی درست ثابت ہو رہے ہیں اور کئی نظریئے بعد میں پیش کئے گئے بعض لیکن جلد ہی پتا چلا کہ وہ حقائق پر مبنی نہیں تھے اس لئے ترک کر دیئے گئے اور پھر یہ تحقیقات کا سلسلہ تو ختم نہ ہونے والی جستجو ہے جسے کبھی بھی ختم نہیں ہونا چاہئے

Marfat.com

کیونکہ اس جدوجہد میں ہی انسانی زندگی کی بقا ہے جس کا تفصیل کے ساتھ کسی اور جگہ ذکر کیا جائے گا فی الحال انسانی سوسائٹی کا مختصر تاریخی سائینسی اعتبار سے جائزہ لینا مقصود ہے۔

سائینسی نقطہ نظر کی روشنی میں انسانی زندگی کے جو حوالے ملتے ہیں ان کے مطابق ہمارے قدیم آباؤ و اجداد نے اپنی فہم و فراست کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قدرت نے جب ہماری یہ زمین پیدا کی اور پھر اس پر زندگی کا آغاز ہوا تو اس سرزمین پر لاکھوں انواع کی مخلوق پیدا ہوگئی اور ابتدائے زمانہ میں جو انواع پیدا ہوئیں آج ان میں سے بہت کم اقسام دنیا میں زندہ ہیں اس سلسلے میں خیال کیا جاتا ہے کہ جو زندگی کی اقسام صفحہ ہستی سے ناپید ہوگئی ہیں وہ اس لئے موت کا شکار ہو گئیں کہ ہماری زمین پر جو موسمیات کی وجہ سے یہاں کے درجہ حرارت میں کئی سنٹی گریڈ کی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے وہ ان اقسام کی موت کا باعث بنی پہلے وقتوں میں گرمی کے موسم میں بہت زیادہ گرمی اور سردی کے موسم میں بہت زیادہ سردی پڑتی تھی اس لئے زندگی کی جو انواع موسموں کے تغیر و تبدل میں خود کو اڈجسٹ نہیں کر سکتی تھیں وہ شدید گرمی شدید سردی اور بھوک کی وجہ سے مرجاتی تھیں اسی طرح زندگی کی کئی ہزار اقسام لقمہ اجل بن کر دنیا سے نیست و نابود ہوگئیں یہاں آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے یا ہوا ہوگا کہ اگر ماضی میں اتنی ہی شدید گرمی اور سردی پڑتی تھی اور ان شدید موسموں میں زندگی کی افزائش ممکن نہ تھی تو پھر ان ایام میں زندگی پیدا کیسے ہو جاتی تھی؟ اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ ایک تو تمام روئے زمین پر ایک سا موسم کبھی نہیں ہوتا اور پھر سارا سال موسم ایک سا شدید نہیں ہوتا بلکہ ہر سال بہار کا موسم بھی آتا ہے جس میں نہ زیادہ گرمی اور نہ ہی زیادہ سردی پڑتی ہے بلکہ گلابی موسم رہتا ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ زندگی کی جو اقسام معتدل آب و ہوا والے علاقوں میں پہنچ جاتی ہوں گی وہ بچ جاتی ہوں گی بشرط کہ انہیں وہاں زندہ رہنے کے لئے خوراک مل جاتی ہوگی۔

موسموں کی تبدیلی اور شدت کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر سال کے

Marfat.com

تمام موسم ہمیشہ ایک سی شدت کے ساتھ نہیں آتے ہم دیکھتے ہیں کہ کسی سال گرمی اور کسی سال سردی زیادہ پڑتی ہے اور کبھی کوئی سال ایسا بھی آ جاتا ہے جس میں تقریباً سارا سال موسم خوشگوار رہتا ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسے موسموں والے سالوں میں زندگی کی زیادہ افزائش ہو جاتی ہو گی لیکن کبھی ایسے سال بھی آ جاتے ہوں گے جن میں بہت عرصے تک بارش نہیں ہوتی ہو گی اور زمین گرمی کی وجہ سے ہر قسم کی نباتات کو جنم دینے کے قابل نہیں رہتی ہوگی اس طرح موسم کی شدت والے علاقوں میں زندگی موت کا شکار ہو جاتی ہو گی جیسے ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر ایک یا دو سال لگا تار گرمی پڑتی رہے اور بارش نہ ہو تو متاثرہ علاقوں میں قحط پڑ جاتا ہے اور جاندار تو درکنار انسان بھی بھوک پیاس کی وجہ سے مرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے علاقوں کے رہنے والے لوگ غذائی امداد کی صورت میں متاثرہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں لیکن ہم تو جانوروں کی بات کر رہے ہیں جن بیچاروں کی کوئی مدد نہیں کرتا۔

کون جانے زندگی اسی طرح کب تک موت و حیات کی کشمکش سے دوچار رہی اور ارتقائے حیات کا عمل جاری رہا پھر وہ دن بھی آیا جب حیوان نما انسان کی شکل نمودار ہوئی جس کو اپنی زبان سے نکلی ہوئی آواز کو کوئی نہ کوئی معنی پہنانے میں لاکھوں سال کا عرصہ گزر گیا پھر وہ دور آیا جس کو ہم پتھر کا زمانہ کہتے ہیں جس میں اس حیوان نما انسان نے چیختے چلاتے اشاروں اور کنائیوں سے اپنی آواز کا مطلب دوسروں تک پہنچایا تو اس نے اپنے عریاں بدن کے ساتھ رقص کر کے اپنی اس خوشی کا اظہار کیا کہ وہ دوسروں کی بات سمجھنے لگا ہے سائنسی معلومات کے مطابق پتھریلی چٹانوں پر ننگے بدن ناچنے والا وہ حیوان نما انسان ارتقائے ذہن کے عمل سے گزرتا ہوا لاکھوں سال بعد اپنے نطق کا مالک بنا اور اس نے ایک دن یہ فقرہ ہواؤں کے گوش گزار کیا ہو گا "آ گلے لگ جا" تو اس طرح وہ حیوان سے انسان بن گیا سائنس دان حضرات انسان کے بولے ہوئے اس پہلے فقرے کو فضاؤں میں تلاش کر رہے ہیں ہو سکتا ہے وہ اپنی اس مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہو جائیں یا ناکام رہیں لیکن سائنسی معلوماتی کی

روشنی میں جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ پتھریلی چٹانوں پر ننگے بدن ناچنے والا وہ حیوان نما انسان یئی تمام انسانوں کا جد امجد ہونے کا اعزاز حاصل کر چکا تھا جیسے جیسے زندگی آگے بڑھتی رہی انسان زیادہ سے زیادہ سوجھ بوجھ کا مالک بنتا چلا گیا تو اس نے زندگی کی باقی تمام اقسام پر قدرت حاصل کر لی اور پھر ہزاروں سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد اس نے سیاروں کی گردش کے زائچے بنانے شروع کئے الفاظ ایجاد کئے ان کے مفاہیم متعین کیئے چیزوں کے نام تجویز کئے لکھنا پڑھنا شروع کیا اور انسانی شعور کی دوڑ کا آغاز ہوا اور اس سب کچھ کے ساتھ ساتھ چونکہ انسان روئے زمین پر قدرتی آفات اور شدید موسموں کی ہمیشہ زد میں رہا اس لئے اس نے یہ جاننے کی بھی کوشش شروع کر دی کہ وہ سب قدرتی آفات اور شدید موسم کہاں سے آتے ہیں کیوں آتے ہیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسان ایک طویل مدت تک قدرتی آفات کا نہ صرف شکار رہا بلکہ وہ ان آفات کو اپنی طرح جاندار تصور کرتا رہا اور ان کی نذر ہوجانا درست خیال کرتا رہا یہی وجہ ہے کہ انسان آج بھی بعض چیزوں کی پوجا کرتا ہے۔

جب انسان خود کو اس دنیا میں ایک مستقل قوت خیال کرنے لگا تو پھر اس کا دھیان اس طرف آیا کہ انسانی زندگی کی ابتداء کیسے ہوئی اس موضوع پر ماضی کے دانشوروں نے بہت زیادہ لکھا ہے لیکن ابھی تک انسان نے اس بارے میں کسی حتمی بات کو تسلیم نہیں کیا ہے اس سلسلے میں بدستور اختلاف موجود ہے ہو سکتا ہے کہ یہ اختلاف ابھی ہزاروں سال تک موجود رہے لیکن وہ وقت ضرور آئے گا جب انسان کے علم میں اتنا اضافہ ہوگا جس کی روشنی میں وہ انسانی پیدائش کے اصل فیصلے تک باسانی پہنچ جائے گا اس موضوع کے بارے میں جو اختلافات ہیں ان کے باوصف اب تک کی معلومات جو ہمیں متقدمین' متوسطین اور ماڈرن مفکرین سے دستیاب ہوئی ہیں ان کی روشنی میں ہم چاہیں تو اپنی سوچ کی سمت درست کر سکتے ہیں کیونکہ ماضی کے فلسفہ دانوں سائنس دانوں ہیئت دانوں اور موجد حضرات کی نگارشات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں ان مفکرین کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے انسان کو قوت فکر کے استعمال کی دعوت دی ہے جس کے تحت انسان نے ستاروں پر کمندیں ڈالنا

Marfat.com

شروع کر دیا ہے اور اپنی فکر فلک شگاف کی رہنمائی میں تسخیر کائنات کی سمت بڑھنا شروع کر دیا ہے اور اس سمت میں بڑی حوصلہ افزا پیش رفت ہو رہی ہے۔

انسان نے ابتدائے زمانہ ہی سے جن باتوں کی طرف بہت زیادہ توجہ دی ان باتوں میں سے انسانی زندگی کی ابتداء کا مسئلہ سر فہرست رہا ہے جیسے میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ایک وقت ضرور آئے گا جب یہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور جب یہ مسئلہ حل ہوگا تو انسانی زندگی میں بہت بڑا انقلاب برپا ہو گا اور اگر آج یہ مسئلہ حل ہو جائے تو انسانی زندگی میں اس سے بڑا انقلاب آجائے گا لیکن یہ انقلاب جب بھی آئے گا انسانی زندگی کے لئے اور انسانی سوسائٹی کے لئے اتنا اچھا ہوگا کہ انسان کے ہزاروں مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے آیئے اس انقلاب کی طرف پہلے سے اٹھائے گئے قدموں کے نشانات کی رہنمائی میں جتنے قدم چل سکتے ہیں چلیں اور شاہراہ زندگی پر چلتے ہوئے اپنا پارٹ ادا کریں تاکہ آنے والی نسلیں ہمیں توہم پرست' مردہ پرست یا مطلب پرست تصور کر کے جھٹلا نہ دیں۔

اسلاف کے کچھ دانشوروں کا خیال ہے کہ انسان کی ابتداء یا خلقت عام جانداروں کی طرح نہیں ہوئی تھی بلکہ انسان کو قدرت نے کسی خاص طریق کار کے تحت پیدا کیا تھا کسی قدر اس کی پرورش ان جانداروں کی طرح ہوئی ہے جو دودھ پلاتے ہیں اور جو ریڑھ کی ہڈی والے ہیں لیکن کچھ دانشوروں کا خیال یہ ہے کہ انسان کی پیدائش بھی بالکل حیوانوں کی طرح سے عمل میں آئی ہے اس وجہ سے انسان کو حیوان ناطق کہا گیا ہے تو گویا یہ مسئلہ بھی متنازع ہے اور لوگ اس مسئلے کے بارے میں مختلف عقائد رکھتے ہیں لیکن چونکہ اس موقع پر ہم سائنسی نقطہ نظر کی روشنی میں بات کر رہے ہیں اور سائنس کا تصور حیات یہ ہے کہ اس کرۂ ارض پر پوری کی پوری زندگی جس کو انسان نے حیوانات کا نام دیا ہے کو قدرت نے ایک ہی عمل کے تحت پیدا کیا ہے اور جب زندگی بے شمار انواع میں بٹ گئی تو ان انواع میں سے ایک نوع آگے نکل گئی یعنی باقی تمام انواع کے مقابلے میں بہتر صلاحیتوں کی مالک بن گئی جو کہ نوع انسانی کہلائی۔ انسان کا دو ٹانگوں پر چلنا اور دو ٹانگوں کو اپنے پاس محفوظ رکھنا اس

بات کی دلیل ہے کہ اس نوع کا دماغ جب سوچنے کی صلاحیت حاصل کر گیا تو وہ ایسا کرنے پر قادر ہوا لیکن چونکہ اس صلاحیت کو حاصل کرنے میں انسان کو لاکھوں سال کا عرصہ لگا اور یہ کام کسی ایک انسان کی موجودگی میں نہیں ہوا اس لئے کسی عینی شاہد کی عدم موجودگی اس عمل کو تسلیم نہ کرنے کا جواز فراہم کرتی ہے۔ اس سلسلے میں جو معلومات اب تک ہمیں موصول ہوئی ہیں ان کے ذرائع ذیل کی شخصیات ہیں جن کا تفصیل سے ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے ان شخصیتوں نے ماضی میں تحریکوں کی شکل میں کام کیا تھا مثال کے طور پر فلسفہ دان' ریاضی دان' سائینسدان اور ماہر فلکیات وغیرہ۔ انسانی ذہن کتنا عرصہ پہلے باقاعدہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تھا اس کا صحیح سراغ نہیں ملتا کیونکہ انسان کے پاس اپنا علم محفوظ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا غالباً" ۶۶۰ سال قبل مسیح سے تحریری صورت میں انسانی تخیلات کے حامل انسانوں کا سراغ ملتا ہے جنہوں نے کائنات کے بارے میں باقاعدہ سوچ بچار کرنا شروع کیا اور اپنے خیالات تحریری شکل میں آنے والی نسلوں کیلئے چھوڑے ان لوگوں کو ہم فلسفہ دان کہیں گے۔ جیسے جیسے انسانی ذہن ارتقائی مدارج طے کرتا رہا اور فلسفہ دانوں کے علم میں اضافہ ہوتا رہا ویسے ویسے ان کے تجربات' مشاہدات اور خیالات لوگوں تک پہنچتے رہے۔ جہاں یہ تحقیقاتی مہم رفتہ رفتہ آگے بڑھتی رہی اور انسانی معلومات میں اضافہ ہوتا رہا وہاں ان تحقیقات اور مشاہدات کے نتائج میں اختلافات بھی پیدا ہوتے رہے جیسے کہ انسانی تجربات و خیالات کا کسی بھی موضوع کے حوالے سے موازنہ کیا جائے تو اختلاف رائے ہر جگہ موجود ہے۔ کچھ معلومات ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں محققین کی اکثریت متفق نظر آتی ہے۔ دراصل اختلاف رائے کی دو بڑی وجوہات سامنے آتی ہیں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ ہی سے فلسفہ دان حضرات کی اکثریت ان افراد پر مشتمل رہی ہے جنہوں نے جب کوئی نئی بات دریافت کی تو باقی تمام زندگی اس کی صداقت پر ہی بضد ہے حالانکہ آئندہ زندگی میں چل کر ان باتوں پر جب مزید تجربات و مشاہدات کئے گئے تو وہ نظریئے غلط ثابت ہوئے اور کچھ آج تک درست تسلیم کئے جارہے ہیں یہاں ان فلسفہ دانوں اور محققین کو خراج تحسین پیش

Marfat.com

کرتا ہوں جنھوں نے اپنی تمام دریافتوں اور معلومات کو پالینے کے بعد' یہ کہہ کر انہیں لوگوں کے حوالے کر دیا "ممکن ہے ان معلومات میں سے کبھی کوئی غیر مصدقہ ثابت ہو جائے"۔ اختلاف رائے کی دوسری بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز ہر لحہ تغیر پذیر ہے اور یہ دنیا نہ معلوم ممکنات کا سلسلہ ہے اور انسان وقت کے ساتھ ساتھ بے شمار نئی چیزوں کو اپنا تو لیتا ہے کیونکہ ان کا اپنا لینا وقت کا تقاضہ بھی ہوتا ہے اور وہ انسان کی اپنی ضرورت بھی ہوتی ہے لیکن دوسری طرف بے شمار چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو انسان جوں کا توں برقرار رکھنا چاہتا ہے اور وہ چیزیں انسانوں کے درمیان شدید اختلافات کا باعث تو ہوسکتی ہیں انسانی زندگی کے ارتقائی عمل میں ممد ہرگز ثابت نہیں ہوسکتیں۔ یہ جاننے کیلئے کہ چیزیں کیسے اور کیوں تبدیل ہوتی ہیں آپ اس مثال کو سامنے رکھ کر غور کریں گے تو آپ پر یہ انکشاف ہوگا کہ واقعی وقت کے ساتھ ساتھ بہت تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں جیسے آج سے سو سال پہلے ہمارے علاقوں میں لوگ ایسا لباس نہیں پہنتے تھے جیسا آج کل پہنتے ہیں جو سہولتیں انسانوں کو آج دستیاب ہیں پہلے نہیں ہوتی تھیں آج ہماری سوسائٹی کو جو مشکلات درپیش ہیں پہلے لوگوں کو اس طرح کی مشکلات کا سامنا نہیں تھا اور ایک مثال کائنات کے حوالے سے بھی ملاحظہ کریں۔ ایک وقت تھا جب یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ ہماری زمین مرکز کائنات ہے اور باقی تمام سیارگان اس کے گرد گھومتے ہیں لیکن مزید تحقیق سے یہ بات غلط ثابت ہوئی اور پتہ چلا کہ یہ ہماری زمین مرکز کائنات ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ بھی دوسرے کروڑوں سیاروں کی طرح اپنے ایک محور کے گرد گھوم رہی ہے اور مرکز کائنات کا کہیں دور دور تک کچھ پتہ نہیں۔ اس سلسلے میں بہت ساری مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن میرے خیال میں اب ان کی مزید ضرورت نہیں۔

یہاں میں ایک خاص نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں یہ دیکھنے کا ایک طریق کار ہے اگر ہم اپنی آنکھوں کو دور بین لگا کر دیکھیں تو یہ دیکھنے کا دوسرا طریق کار ہوگا اور اگر ہم اپنی آنکھوں کو خورد بین لگا کر دیکھیں تو یہ دیکھنے کا تیسرا طریق کار ہوگا۔ اب آپ فرض کریں کہ تین

آدمیوں نے کسی ایک ہی چیز کا مشاہدہ ان تین طریقوں سے کیا ہے ظاہر ہے تینوں آدمی جب اپنا اپنا نتیجہ ہمارے سامنے رکھیں گے تو وہ ایک ہی چیز کے بارے میں تین مختلف آرا ہمارے سامنے آئیں گی۔ اب ہم دوربین اور خوردبین ہٹا دیتے ہیں اور تین آدمیوں کو ایک میل کے فاصلے پر واقع کسی چیز کا مشاہدہ کرنے کیلئے کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ ان تین آدمیوں کی نگاہ دیکھنے کی صلاحیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ان تین نگاہوں کے پیچھے سوچنے کیلئے تین دماغ ہیں۔ وہ تینوں ایک دوسرے سے ہر حالت میں مختلف ہیں اس لئے جب اس چیز کا مشاہدہ ہو کر ہمارے سامنے آیگا تو وہ تین مختلف نتائج ہونگے ایک نتیجہ نہیں ہوگا۔ یہی حال فلسفہ دانوں' ریاضی دانوں' سائینسدانوں اور ماہر فلکیات حضرات کا ہے۔ گلیلیو نے سب سے پہلے ایک دوربین تیار کی اور اس سے چاند کا مشاہدہ کیا اور چاند کی سطح پر اس نے جو کچھ دیکھا اس میں اور چیزوں کے ساتھ ساتھ اسے چاند کی سطح پر پانی بھی نظر آیا حالانکہ چاند کی سطح پر پانی موجود نہیں ہے بعد میں آنے والے سائینسدانوں نے گیلیلیو کے مقابلے میں زیادہ طاقتور دوربین بنائی جس سے دیکھا تو پتا چلا کہ گلیلیو کو جو پانی نظر آیا تھا دراصل وہ صحرا تھا جو سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا اور گلیلیو کو اس پر پانی ہونے کا شبہ ہوا ان مثالوں سے جس نکتے کی وضاحت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری زمین پر اور کائنات میں جو کچھ نظر آتا ہے ابتدائی انسان نے جب اسے دیکھا اور اس کے بارے میں جو رائے قائم کی' اس کے بعد آنے والے انسان نے وہ سب کچھ دیکھا تو اس کی رائے ابتدائی انسان سے مختلف تھی۔ اور آج کا انسان بھی وہی کچھ دیکھ رہا ہے لیکن اس کی رائے گزشتہ انسانوں سے کئی اعتبار سے بالکل مختلف ہے اس لئے یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آئندہ زمانے کا انسان بھی اپنے ماضی کے لوگوں سے ان چیزوں کے بارے میں مختلف رائے کا اظہار کرے گا۔ اس اختلاف کی تہ تک پہنچنے کیلئے یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ "کسی چیز کے بارے میں ہماری نگاہ اور ہمارا مشاہدہ جب نتیجے کی صورت میں سامنے آتا ہے تو اس کی ایک ناقص معیار کی حیثیت ہوتی ہے لیکن ہم اسے صحیح معیار اور حرف آخر کے طور پر پیش کرنے کی سعی کرتے

Marfat.com

ہیں جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہے"۔

اب آیئے ہم یہ دیکھیں کہ اختلاف رائے کی بنیادی وجوہات کیا ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بات تو میں پہلے اوپر عرض کر چکا ہوں کہ دوربین اور خوردبین کے پیچھے دیکھنے والی آنکھیں اور سوچنے والا دماغ اگر مختلف ہونگے تو نتیجہ ضرور مختلف ہوگا اور پھر انسان کی فطری کمزوری بھی اس میں شامل ہے کہ ہر مبصر دوسرے مشاہدین کے مقابلے میں خود کو بڑی شخصیت ظاہر کرنے کیلئے ممکنہ حد تک دوسروں سے اختلاف کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز ہر لحہ بدل رہی ہے اس سلسلے میں کائناتی مثال ہماری اپنی زمیں ہے۔ جب یہ وجود میں آئی تھی تو ایسی نہیں تھی جیسی آج ہے یہ ایک لمبے دورانئے کی بات ہے۔ آپ نے صبح ناشتہ تیار کیا لیکن جو چیزیں تیار کی گئیں وہ ساری استعمال نہ ہو سکیں اور کچھ بچ گئیں ان بچی ہوئی چیزوں کو اگر آپ دو روز تک پڑی رہنے دیں تو وہ اپنی ہیئت تبدیل کرلیں گی اور آپ کہیں گے کہ وہ چیزیں کھانے کے قابل نہیں رہیں اور خراب ہوگئی ہیں یہ چھوٹے دورانئے کی بات ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ایک طرف انسان کا ذہن لحہ بہ لحہ بدل رہا ہے اور ہم اس تبدیلی کو "ارتقائے ذہن" کا نام دے رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ذہن پہلے کے مقابلے میں آج بہتر صورت اختیار کر چکا ہے لہذا بہتر ذہن رکھنے والا انسان اپنے مشاہدات کیلئے جو لوازمات خود کو مہیا کر رہا ہے وہ بھی یقیناً بہتر ہیں اس لئے آج کا انسان جو تجربات اور مشاہدات کر رہا ہے ان کے نتائج ماضی کے انسان کے مشاہدات کے مقابلے میں ضرور بہتر ہیں اور اگر نتائج بہتر ہیں تو خود بخود مختلف ہونگے جیسے ماضی میں ایک مفکر نے کہا تھا کہ پانی عنصر ہے لیکن دوسرے مفکر نے اس بات پر مزید غور کیا اور ثابت کر دکھایا کہ پانی عنصر نہیں بلکہ مرکب ہے اس لئے دوسرے مفکر کا مشاہدہ پہلے مفکر کے مشاہدے سے بہتر ہونے کی صورت میں مختلف ہوگیا۔

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائنس کے میدان میں کائناتی اجرام کے بارے میں جو اختلاف سائنسدانوں کے درمیان پایا جاتا ہے وہ ویسا اختلاف نہیں ہوتا جس کو ہم نظریاتی اختلاف کہتے ہیں بلکہ اس اختلاف کی نوعیت اس طرح کی

Marfat.com

ہوتی ہے کہ جس سائینسدان نے کہا کہ چاند کی سطح پر پانی ہے اس سائینسدان کی مصنوعی آنکھ (دوربین) کمزور تھی اور جس سائینسدان نے یہ ثابت کیا تھا کہ چاند کی سطح پر پانی نہیں بلکہ جس پر پانی کا گمان ہوتا ہے وہ دراصل صحرا ہے اس سائینسدان کی مصنوعی آنکھ (دوربین) طاقتور تھیں اس لئے وہ صورت حال کا صحیح مشاہدہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ مذکورہ دونوں سائینسدانوں کی تحقیق میں اختلاف ہو چکا لیکن اس اختلاف میں ان کی انا' وقار کا مسئلہ یا ہٹ دھرمی شامل نہیں ہے بلکہ ان دونوں کی قوت مشاہدہ مختلف تھیں جن کی وجہ سے ان کی آراء میں اختلاف پایا گیا۔

زندگی اور کائنات کے بارے میں جن محققین کا اوپر ذکر آ چکا ہے ان کے بارے میں سائینسی نقطہ نظر کے حوالے سے گفتگو کرنا ابھی باقی ہے آیئے ان شخصیتوں کی کارکردگی کا مختصر جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ آج یہ تمام شخصیتیں اپنے اپنے میدان میں کس صورت حال سے گزر رہی ہیں اور آئندہ ان سب کی کارکردگی کا کیا Scope ہے۔ میری مراد فلسفہ دانوں' سائینسدانوں ریاضی دانوں اور ماہر فلکیات سے ہے۔ فلسفہ' ریاضی' سائنس اور علم فلکیات' زندگی اور کائنات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں جب انسان نے سوچنا شروع کیا ہوگا اور اجرام فلکی کا جائزہ لینا شروع کیا ہوگا تو وہ آدمی انسانی نسل میں سب سے پہلا فیلسوف تھا اس نے سورج کو دیکھا ہوگا اور سورج کی گرمی سے خوفزدہ ہو کر اس کو اپنا خدا مان لیا ہوگا اور پھر سورج کا روز کا آنا جانا اس کیلئے معمہ بن گیا ہوگا اور قدرتی آفات و واقعات کو اس کی طرف سے غصے اور محبت کے مترادف جان لیا ہوگا لیکن اس کے باوجود وہ مزید سوچوں میں کھویا رہتا ہوگا یہی وجہ ہے کہ میں بھی انہی سوچوں میں کھویا ہوا ہوں کیونکہ وہ میرا جد امجد تھا۔ جیسے جیسے انسانی ذہن کی سوچ کا دائرہ وسیع ہوتا گیا ویسے ویسے زندگی اور کائنات کے بارے میں انسانی سوچ نے ایک مستقل شکل اختیار کرلی فلاسفہ نے ریاضی کو جنم دیا اور اجرام فلکی کی نقل و حرکت کو سمجھنے کا بیڑا اٹھایا اس طرح بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں اور علم فلکیات کی ایک شاخ وجود میں آگئی اور جب انسان نے مادے کے اجزاء کا تجزیہ کرنا شروع کیا تو سائنس کے شعبے کا اجراء ہوا

Marfat.com

اور اس سائنس کے شعبے نے فلاسفر کے ذہن' ریاضی سے اعداد اور اجرام فلکی سے ان کی محوری گردشوں کا اصول حاصل کر کے اپنی لیبارٹری کی زینت بنا لیا ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سائنس کی لیبارٹری میں کام کرنے والی شخصیتیں جن کو ہم سائینسدان کہتے ہیں زندگی اور کائنات کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں بڑی سنجیدگی سے سرگرم عمل ہیں۔

سائنسی ترقی اور خطرات :۔ جب تک سائنس کا شعبہ پوری طرح بااختیار نہیں ہوا تھا اس وقت تک فلسفہ ہزاروں مشکلوں اور رکاوٹوں کے باوجود اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھا لیکن چونکہ فلاسفی کا زیادہ دار و مدار انسانی ذہن کے تخیلات سے رہا ہے اس لئے فلاسفر حضرات نے اپنی قوت متخیلہ کا زیادہ تر استعمال Anthropology پر کیا اور اس سلسلے میں اتنا زیادہ لکھا گیا ہے کہ اس موضوع پر مزید لکھنے کی گنجائش اس لئے نہیں ہے کہ انسانی ذہن ابھی تک اس منصوبے پر کام کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں کرسکا۔ علم الانسان کے سلسلے میں ابتداء کے فلاسفر حضرات کی کاوشیں ضرور معلوماتی ہیں۔ لیکن جب انسانی ذہن Metaphysics کے سمندر میں غوطہ زن ہوا تو واپسی کا رستہ کھو بیٹھا اور وہیں کہیں الجھ کے رہ گیا۔ دراصل انسانی ذہن جس سمت میں نہایت سرعت کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے وہ ہے سائینسی اصولوں کے تحت' زندگی اور کائنات پر تحقیق کا عمل اس عمل کو نہائت سنجیدگی کے ساتھ جاری رکھنے کی ضرورت ہے عین ممکن ہے کہ انسان اسی راستے پر چلتے چلتے اتنی ذہانت حاصل کر لے کہ اس کے لئے روح اور بدن کا مسئلہ کسی اہمیت کا حامل ہی نہ رہے لیکن اس وقت انسان کیلئے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل انسان کی اپنی بقا کا مسئلہ ہے ہرذی شعور ان حقائق سے اچھی طرح واقف ہے کہ اس وقت روئے زمین پر آباد نوع انسان کو بہت سارے مسائل کا سامنا ہے۔ جن میں آب و ہوا' خوراک اور پاپولیشن سرفہرست ہیں۔ سطح زمین پر جس آب و ہوا میں زندگی اب تک چل رہی ہے اس آب و ہوا کا برقرار رہنا زندگی کیلئے لازمی ہے اور مطلوبہ ماحولیات میں سانس لیتی ہوئی زندگی کو خالص اور پوری مقدار میں خوراک کا ملنا بھی لازمی ہے۔ ان دونوں لازم و ملزوم میں

خرابی پیدا ہونی شروع ہو چکی ہے۔ انسان اپنے عیش و آرام کیلئے جو سہولتیں خود کو مہیا کر رہا ہے ان کے رد عمل کی صورت میں آب و ہوا آلودہ ہو رہی ہے اور پاپولیشن کی بڑھتی ہوئی رفتار غذائی پیداوار کے مقابلے میں زیادہ ہے جو غذا میں ملاوٹ کا ذریعہ بن رہی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ مسائل حل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ان کو حل کرنے کی طرف کوئی قدم اٹھایا جائے۔

خطرات سے کیسے بچا جائے: آیئے اس بات پر غور کریں کہ مذکورہ مسائل کے حل کے سلسلے میں کس طریق کار کے تحت عوام کو آمادہ کیا جائے کہ وہ ان مسائل کے حل کرنے میں تعاون کریں۔ روئے زمین پر انسان کے ذرائع ابلاغ پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر ہیں اس لئے پوری دنیا کے حالات و واقعات سے کافی حد تک ہم روزانہ آگاہی حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی آگہی کی روشنی میں ہم جانتے ہیں کہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ پوری دنیا میں لوگ بہت سارے مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کے درمیان بے چینی' بے اطمینانی' افراتفری اور کسمپرسی کی حالت پائی جاتی ہے اور زیادہ لوگوں کی رائے بھی یہی ہے کہ دنیا کی موجودہ صورت حال پہلے کے مقابلے میں زیادہ گھمبیر ہے۔ جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت پریشانی کا شکار ہے۔ ایسے حالات میں اگر ہم ذرائع ابلاغ کی وساطت سے بھی اور بالمشافہ لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش شروع کر دیں تو کیا لوگ اپنے تمام مسائل کو ترک کر کے مذکورہ تین مسائل کے حل کی طرف رجوع کرینگے؟ ہرگز نہیں! پہلی بات تو یہ ہے کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد کے نزدیک ان مسائل کے علاوہ جو مسائل زیادہ اہمیت رکھتے ہیں' لوگ ان کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ وہ اپنے معمولات سے ہٹ کر کسی نئی چیز کی طرف نہیں آتے۔ انسانی معاشرہ ایک مشین کی طرح ہے اور لوگ اس مشین کے کل پرزے ہیں جو اپنی دھن میں مسلسل حرکت میں رہتے ہیں۔ جہاں تک پاپولیشن کا سوال ہے یہ مسئلہ تو اس وقت تک حل نہیں ہوگا جب تک لوگوں کی اکثریت کو ایجوکیٹ نہیں کیا جاتا اور وہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہو جاتے کہ انسان فعل مختار ہے اور آبادی کو بڑھانے اور گھٹانے کا اختیار اس کے پاس ہے۔ جہاں تک فضا کی

Marfat.com

آلودگی اور خوراک کی کمی کا مسئلہ ہے اس سلسلے میں بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جن لوگوں پر ان مسائل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان کی اکثریت ان دونوں مسائل کی گھمبیرتا سے لاعلم ہے۔ اس زمرے میں دنیا کے تمام سیاستدان اور تمام ملکوں کے اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے والے افراد شامل ہیں۔ سیاستدان تو تمام زندگی سیاست کی جگالی میں گزار دیتے ہیں۔ ایک وقت میں ایک گروہ بر سر اقتدار رہتا ہے اور دوسرے گروہ اس کی شہرت کو نقصان پہنچانے اور اپنے لئے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں خاص طور پر دنیا کے تمام چھوٹے چھوٹے ممالک میں شخصی بالادستی کا رجحان غالب رہتا ہے لوگوں کی اکثریت معاشی، سماجی، اور لاقانونیت جیسے مسائل کا شکار رہتی ہے جب ان کی صحیح رہنمائی کوئی نہیں کرتا تو وہ اپنے مسائل کے سنگین ہونے کی صورت میں احتجاجاً" جن باتوں کو غلط تصور کرتے ہیں اگر ان باتوں کو اپنانے سے انہیں اپنے مسائل کے حل میں مدد ملتی دکھائی دیتی ہے تو وہ ادھر چل پڑتے ہیں اس طرح صحیح اور غلط کی تمیز اٹھتی چلی جاتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ معاشرہ خراب ہوگیا ہے۔

انسانی تاریخ سے ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ انسانی معاشرہ کبھی بھی ایسی صورت حال کے مطابق نہیں رہا جس کو ہم ایک مثالی عہد کے طور پر پیش کریں۔ سوائے اس کے کہ کسی زمانے میں ظلم و جبر کی انتہا کر دی گئی اور کسی زمانے میں اس میں کمی آگئی کیونکہ ہوتا یہ رہا ہے کہ ظلم و زیادتی کو روکنے کیلئے بھی قتل و غارت ہی کا بازار گرم رہا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ انسان انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اپنے مسائل کے حل کیلئے روز اول سے اس طریق کار کو موثر ترین ذریعہ تصور کرتا ہے اور اسی طریق کار کے تحت آج تک کوئی بھی انسانی مسئلہ حل نہیں ہوا بلکہ جہاں بھی اور جب بھی طاقت کا استعمال ہوا دونوں اطراف سے بے شمار جانیں ضائع ہوگئیں اور بالآخر ایک فریق کے کمزور رہ جانے کی صورت میں اور دوسرے فریق کے غالب آجانے کی شکل میں نتیجہ سامنے آیا اور کمزور فریق کئی کئی سال اپنی بکھری ہوئی طاقت کو جمع کرتا رہا اور موقع پاتے ہی مخالف پر حملہ آور ہوگیا

اور جو کھیل پچاس ہزار سال پہلے شروع ہوا تھا جسے اس وقت شاید کسی بھونڈے طریقے سے کھیلا گیا ہوگا آج بہت منظم اور بھیانک طریقے سے کھیلا جا رہا ہے۔ اس کھیل کو جاری رکھنے کیلئے وجہ جواز کی تعداد بہت زیادہ ہو سکتی ہے لیکن یہاں صرف بنیادی اور بہت بڑی بڑی تین وجوہ کا ذکر کر رہا ہوں مثال کے طور پر خدا کی ذات' انسان کی ذات اور زمین

خدا کی ذات :۔ انسان کا علم بہت محدود ہے لیکن جو علم اور معلومات انسان کے پاس ہے وہ اس کا استعمال بھی غلط انداز میں کرتا ہے کیونکہ یہ بات انسان کے تحت الشعور میں بیٹھ چکی ہوئی ہے کہ اس کا علم بہت ہے اور مکمل ہے اور اس کے تمام مسائل کا حل بھی اس کے پاس ہے لیکن انسانی سوسائٹی کی بگڑتی ہوئی حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی دعوی درست نہیں ہے بلکہ وہ دن بدن مزید مشکلات کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس کا اپنا کیا دھرا ہے لیکن کچھ طبقات اس کو خدا کی رضا کہہ کر خود کو مطمئن کر لیتے ہیں اور کچھ طبقات دوسرے انسانوں کو مورد الزام گردانتے ہیں۔ میں نے اوپر جن تین وجوہ کا ذکر کیا ہے یعنی انسانی نقطہ نظر کے مطابق خدا کے نام پر اس کی مخلوق کو جنگ و جدل میں قتل کرنا خدا کی مرضی کے عین مطابق ہے اس طرح انسانی جانوں کے خون خرابے میں خدا کی ذات کو فریق کے طور پر شامل کر کے انسان خود کو بری الذمہ قرار دے لیتا ہے جب کہ انسانی سوسائٹی کے تاریخی جائزے سے ایسا لگتا ہے کہ جب سے انسان کے ذہن نے سوچنا شروع کیا ہے اس وقت سے لے کر اب تک خدا کی ذات نے بالواسطہ یا بلاواسطہ انسان سے کبھی خود رابطہ نہیں کیا بلکہ انسان نے اپنی ذہنی کاوشوں کے ذریعے خدا کی ذات کو دریافت کیا ہے اور انسان خود ہی اپنی وجدانی کیفیات کے تحت خدا سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش میں رہتا ہے اگر خدا کسی قوت کا نام ہے جس کی وسعت میں پوری کائنات ہے تو وہ قوت ابھی تک انسان کی دسترس سے بالا تر ہے۔ ماضی میں فلسفہ دانوں نے خدا کے بارے میں بہت مغزماری کی ہے لیکن انسان خدا کے بارے میں جس قسم کی صورت حال کی تلاش میں ہے وہ بہت دور کی بات ہے اب تک کا تمام فلسفہ جو بھی معلومات

Marfat.com

حاصل کر سکا ہے' سو فسطائیت سے قطع نظر اس میں اختلاف چلا آرہا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسانی عقل و دانش کے مطابق جب تک کوئی ایسا ثبوت نہ مل جائے جس پر فلسفہ دانوں کی اکثریت اتفاق کرلے تب تک اختلاف کا پایا جانا قدرتی امر ہے مثال کے طور پر دو جمع دو برابر چار پر اتفاق کرلیا گیا ہے۔ بیشک دو جمع دو برابر چار نہ ہوں اب اس سے کوئی غرض نہیں تاہم فلسفیانہ تحقیق سے جو نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے میرے خیال کے مطابق اس کا لب لباب خدا اور کائنات کے بارے میں دو صورتوں میں سامنے آیا ہے ایک صورت یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہے سب خدا کی ذات کا ہی مختلف شکلوں میں ظہور ہے اس نظریئے کو وحدت الوجود کہا گیا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہے یہ سب خدا کی طرف سے ہے خدا کا بنایا ہوا ہے اس نظریئے کو وحدت الشہود کہا گیا ہے اب اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ سب کچھ خدا ہی ہے یعنی وحدت الوجود کا نظریہ درست ہے تو پھر انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی جو کچھ ہو رہا ہے سب درست تسلیم کرنا پڑیگا اور بات آگے نہیں بڑھے گی کیونکہ جو ہورہا ہے وہ بھی خدا ہے اور جو کر رہا ہے وہ بھی خدا ہے تو پھر شکوہ کس بات کا۔ اب چونکہ انسان موجود ہے اور یہ خدا بھی نہیں ہے کیونکہ یہ پہلے نہیں تھا اب ہے اور اس کی حیثیت سکرین پر گزرتی ہوئی تصویروں جیسی ہے یہ تھوڑی دیر کیلئے فطری سکرین پر نمودار ہوتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے اس لئے اسے خدا نہیں کہا جاسکتا۔ دوسری اصطلاح ہے وحدت الشہود یعنی جو کچھ بھی ہے سب خدا کی طرف سے ہے۔ اس اصطلاح سے دو چیزیں یا دو وجودوں کا تصور ملتا ہے اس لئے بات آگے بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس موقع پر میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ وحدت کے تصور سے جو تاثر ابھرتا ہے وہ جمود کی نمائندگی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جب کہ دو کے تصور سے جو تاثر ابھرتا ہے وہ حرکت کی نمائندگی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے عین ممکن ہے کہ ان دو میں سے ایک تو خالق ہے اور دوسری چیز مخلوق ہو جس میں انسان بھی شامل ہو۔ مخلوق کے جس حصے کا نام انسان ہے وہ حصہ آدم خاکی ہے اور چونکہ اسے خالق اور مخلوق ہونے

Marfat.com

کا ادراک حاصل ہوا ہے اس لئے وہ خالق اور مخلوق کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا بھی اختیار رکھتا ہے۔

انسانی برادری میں اب تک جتنے بھی فلسفی ہوئے ہیں ان کی خدا اور کائنات کے بارے میں فراہم کردہ معلومات میں کئی جگہ اختلافات پائے گئے ہیں ان کے نظریات میں بھی اختلافات ہیں لیکن ان کے کچھ اختلافات ایسے بھی ہیں جن کو عقلاً" اور عملاً" ثابت نہیں کیا جاسکتا' ان کی تصدیق یا تردید نہیں کی جاسکتی مگر ان اختلافات کو ایک طرف رکھ کر آگے تو بڑھا جاسکتا ہے! ہمیں خدا کی تلاش تو رہنی چاہیے لیکن وہ خدا جو اپنی تمام علامات سے شفقت و محبت کا مرکز معلوم ہوتا ہے اس کے نام پر اور اس کے نام کو ذریعہ بنا کر' بحیثیت انسان ہمیں اپنی ہلاکت سے باز رہنا چاہیے۔ تمام انسان اس کی مخلوق ہیں۔ تمام انسانوں کی اصلیت ایک ہے ابھی تک انسان جس سچائی کو معلوم کر سکا ہے وہ یہی ہے کہ زندگی مادے سے وجود میں آئی ہے اور لحہ بہ لحہ پھر اپنے اصل کی طرف لوٹ رہی ہے۔ انسان کو اس بات کا ادراک بھی حاصل ہے کہ خدا کی ذات کبھی بھی کسی بھی صورت میں انسانی افعال میں مداخلت نہیں کرتی۔ انسان اتنا چھوٹا سا کھلونا ہے کہ اس کی کائنات کے حوالے سے حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن یہ حضرت انسان اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات کی تکمیل کیلئے کسی نہ کسی بات کا سہارا لے کر اور اس بات کو خدا کی ذات سے منسوب کر کے انسانی جانوں کو ناحق موت کے گھاٹ اتارتا رہتا ہے۔

انسان کی ذات :۔ جیسے میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ انسان کا علم بہت محدود ہے لیکن اس نے غلط طور پر سمجھ رکھا ہے کہ اس کا علم مکمل ہے انسان کی ذات زمین پر فسادات کا باعث بنتی ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح سے ہے کہ زمانہ جہالت میں تو طاقتور انسان اپنی مرضی دوسروں پر حکم کی شکل میں صادر کرتا تھا لیکن آگے چل کر جب انسانی ذہن نے طاقتور کو عقل کے زور سے زیر کرنا سیکھ لیا تو طاقتور نے عقلمندوں کو اپنے گرد جمع کر لیا' ان کے آرام و آسائش کا بندوبست کیا تو وہ سب بادشاہ کے وزراء کی صورت میں سامنے آئے۔ اب چونکہ عقل کی بالادستی کا دور آگیا تھا اس

Marfat.com

لئے کام سارے تو عقل ہی کرتی لیکن اس کی ذمہ داری بادشاہ پر ڈال دیتی کہ فلاں کو بادشاہ کے حکم سے قتل کیا گیا ہے اس میں وزراء کی کوئی ذمہ داری نہیں تھا لیکن دوسری طرف بادشاہ بھی ذمہ دار نہیں تھا کیونکہ اس نے تو تمام وزرا کے مشورے کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ آج کی جمہوریت بھی اس سلسلے کی کڑی ہے اس کی ترقی یافتہ شکل ایسی ہے کہ کسی کو پھانسی دینے کی ذمہ داری کسی پر بھی نہیں آتی۔ کیونکہ پہلی صورت میں چھوٹی عدالتیں پھر بڑی عدالتیں پھر سپریم کورٹ اور پھر بادشاہ یا صدر کی باری ہوتی ہے اور اس Case کے وہاں تک پہنچتے پہنچتے اصل صورت حال ہی کچھ اور ہو جاتی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ Sophisticated طریقوں سے جھوٹ کو سچ میں بدل دیا جاتا ہے انسانی معاشرے میں انسانی نقطہ نظر کے تحت بہتر پوزیشن رکھنے والے افراد اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے من مانی کرتے رہتے ہیں جس سے سوسائٹی میں فسادات کو ہوا ملتی ہے کمزور آدمی سے انجانے میں بھی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے سخت سزا دی جاتی ہے۔ بڑے بڑے گروہوں کا اقتدار بچانے کیلئے بڑی بے دردی سے انسانوں کا خون بہایا جاتا ہے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کسی ایک شخص کی بادشاہت بچانے کیلئے فوجوں کی صورت میں لاکھوں جانیں لقمہ اجل بنا دی جاتی ہیں۔ انسان کو اس لئے جان سے مار دینا کہ وہ کسی اور صاحب حیثیت کا مخالف ہے' اس عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان سچ مچ حیوان کی بدلی ہوئی شکل ہے کیونکہ اس کے افعال حیوانوں کے افعال سے ملتے ہیں لیکن انسان خود کو اتنا سمجھدار خیال کرتا ہے کہ جیسے وہ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی عقل و دانش میں مکمل ہے اور اپنے غیر مکمل ہونے کو تسلیم نہیں کرتا لیکن یہ بات اپنے اندر بہت وزن رکھتی ہے کہ انسان کمزور بھی ہے اور کائنات کے حوالے سے عقل و دانش کی مد میں نامکمل بھی ہے اس کے باوجود کہ انسان سوچتا ہے بولتا ہے اور اس نے روئے زمین کی ظاہری اور باطنی شکل و صورت کو بدل کے رکھ دیا ہے لیکن جس عقل و دانش کے ذریعے اس نے سب کچھ کیا ہے اس عقل و دانش کے حوالے سے یہ ابھی حیوانی سطح سے زیادہ دور نہیں گیا بلکہ اس حیوانی سطح کے کہیں قریب ہی ہے اور جب تک انسان کے تحت

الشعور میں یہ بات نہیں آجاتی کہ چاہے وہ اور بھی بہت کچھ جان جائے پھر بھی اس کا علم ناقص اور اسکی ذات نامکمل رہے گی اس وقت تک انسان کے سوچنے کی سمت درست نہیں ہوسکتی۔ اگر انسان چاہے تو وہ وقت بہت جلد بھی آسکتا ہے۔

زمین :۔ تیسری چیز کے طور پر میں نے زمین کا ذکر کیا تھا جو انسانوں کے خون خرابے کا باعث قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ زمین تو انسان کی ماں ہے انسان اسی زمین میں سے پیدا ہوتا ہے اور مر کر پھر اس کا حصہ بن جاتا ہے یہ تو انسان کو اپنی گود میں پروان چڑھاتی ہے اور تمام زندگی وہ اسی زمین کے سینے پر دندناتا پھرتا ہے اس لئے یہ انسانی جانوں کو لقمہ اجل بنانے کی وجہ کیسے بن سکتی ہے میں نے تو انسانی اصطلاح میں بات کی ہے جیسے کہتے ہیں "زن۔ زر۔ زمین" تینوں فساد کی جڑ ہیں لیکن یہ تینوں چیزیں کسی بھی فساد کی جڑ نہیں ہیں البتہ عورت چونکہ انسان ہے اس لحاظ سے انسانی سوسائٹی میں جو فسادات ہوتے ہیں ان میں کسی نہ کسی طرح عورت بھی شامل ہے۔
جن معنوں میں میں نے زمین کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان نے روئے زمین کو جغرافیائی اعتبار سے سرحدوں میں تقسیم کرکے رکھ دیا ہے اور پھر انہی سرحدوں کو وجہ جواز بنا کر انسانوں کے سلاٹر ہاؤس کھولے ہوئے ہیں یہ سلاٹر ہاؤس بہت دیر پہلے سے کھولے گئے تھے اور جب تک روئے زمین پر ملکوں کی سرحدیں موجودہ سرحدی تصور کے تحت موجود رہیں گی انسانوں کا قتل عام جاری رہے گا کیونکہ انسان روئے زمین کی تقسیم کو حتمی اور مکمل تصور کرتا ہے جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ انسان روئے زمین پر جو کچھ بوتا ہے اور ابتدائے زمانہ سے لے کر جو کچھ بھی بوتا چلا آرہا ہے اس سب کچھ کا کوئی نہ کوئی مقصد اس کے ذہن میں رہا ہے اور انسانی حوالے سے دیکھا جائے تو انسان کی تمام کوششوں کا بنیادی مقصد بقائے حیات ہوتا ہے جس کے تحت مختلف منصوبوں کی صورت میں کام چلتے رہتے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتے ختم ہو بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ زندگی ختم نہیں ہو رہی اس لئے زندگی سے متعلق کام بھی ختم نہیں ہو سکتے۔ لیکن ہمیں اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ اگر تمام انسانی منصوبوں کا مقصد بقائے حیات ہے تو پھر یہ جو بقائے حیات کے نام پر فنائے حیات عملاً" انسانی تاریخ میں ایک

Marfat.com

منظم منصوبے کے تحت تحریکوں کی صورت میں چل رہی ہے ایسا کیوں ہے؟ بقائے حیات اور افزائے حیات کے بہت سارے منصوبوں میں سے ایک منصوبہ اس زمین کی سرحدی تقسیم بھی ہے جس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنے اپنے ملکوں کی سرحدوں کے اندر رہیں اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کریں لیکن ہم اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ اس روئے زمین پر جب سے ملکوں کی سرحدیں وجود میں آئی ہیں ان سرحدوں کی بقا کا مسئلہ سر فہرست ہے اور بقائے سرحد کیلئے حیات کو قربان کیا جا رہا ہے مزے کی بات یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی کے تمام چوٹی کے دانشور سرحدوں کی بقا کیلئے زندگی کو قربان کرنے پر نہ صرف متفق ہیں بلکہ اس فعل کو انسانی سوسائٹی کے تمام قواعد و ضوابط اعلیٰ درجہ دیا گیا ہے لیکن مزید براں مزے کی بات یہ ہے کہ انسانی زندگی کے اس ہلاکت خیز فعل کا مقصد اپنی جگہ بقائے حیات کے طور پر برقرار ہے۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ انسان فعل مختار ہے خدا کی ذات انسانی افعال میں مداخلت نہیں کرتی اور یہ بات شعوری طور پر انسان کے علم میں ہے یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی ذہانت کے بل پر اور اپنے اسلاف کی نظریاتی روایات کی روشنی میں بہت کچھ خدا کی مرضی سے منسوب کر کے اپنا ذاتی اور گروہی مفاد حاصل کرنے کیلئے مختلف تحریکیں چلا کر بھی روئے زمین پر فسادات کا باعث بنتا ہے اس طرح خدا کی ذات کا سہارا لے کر نہ صرف انسانوں کی گروہ بندی کی جاتی ہے بلکہ ان کے اندر نفرت پیدا کر کے ان کو آپس میں لڑایا جاتا ہے۔ نوع انسان میں عورت چونکہ صنف نازک ہے جسمانی طور پر مرد سے کمزور ہے انسانی تاریخ شاہد ہے کہ کمزور طاقتور کے سامنے بے بس رہا ہے اور بے بس غلام ہوتا ہے ماضی میں تو عورت بالکل ہی مرد کی غلام ہوتی تھی مرد اس کو اپنی ملکیت تصور کرتا تھا اس کو بیچتا تھا اس کو خریدتا تھا کمزور آدمی بھی فروخت ہوتے تھے۔ مرد نے اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے خود کو سجدہ کروایا اس کی وجہ صرف اس کا طاقتور ہونا ہے۔ اس مقام پر ایک غور طلب نکتہ ہے جس کی فلسفیانہ وضاحت یہاں ممکن نہیں البتہ پروفیسرانہ تشریح میرے نزدیک کچھ اس طرح ہے کہ ہر جاندار کے لاشعور میں خوف کا ایک احساس ہے جو اسے شعوری طور پر بے

Marfat.com

چین رکھتا ہے۔ جس سے بچنے کیلئے ہر جاندار اپنے طور پر شعوری کوشش کرتا ہے لیکن زیادہ تر جاندار چیزیں خطرے کو سامنے دیکھ کر یا محسوس کر کے اس سے بچنے کی کوشش کرتی ہیں جب کہ انسان جو کہ ذہنی طور پر باقی جانداروں سے بلند ہے اس کا ذہن ان ممکنہ خطرات سے بھی چوکنا رہتا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتے جیسے انسان پہلے سے یہ اقدام کرتا ہے کہ کہیں سے سانپ نہ نکل آئے کوئی بچھو نہ کاٹ لے وغیرہ وغیرہ اسی طرح جن افراد کو انسان اپنا مخالف خیال کرتا ہے یا جن افراد کا وہ خود مخالف ہوتا ہے ان سے بچنے کی تدابیر کرتا رہتا ہے اور اس بات کو اپنا جزو یقین تصور کرتا ہے کہ جس بھی فرد سے وہ اختلاف رکھتا ہے وہ اس کا دشمن ہے اور اس نے خود بھی اس سے دشمنی ہی کرنا ہے یہ احساس حیوانوں میں بھی اسی نوعیت کا پایا جاتا ہے فرق یہ ہے کہ انسان اپنے مخالف کو ختم کرنے اور خود کو محفوظ رکھنے کی تدابیر سوچتا ہے کیونکہ یہ ذہنی طور پر حیوانوں سے آگے نکل گیا ہے۔ لہٰذا اصولی طور پر ہر آدمی حیوانوں سمیت جن افراد سے اس کا بلا واسطہ تعلق ہوتا ہے ان کو اپنی جسمانی اور ذہنی قوت کے استعمال سے اپنے دائرہ اختیار میں رکھنا چاہتا ہے جو افراد اس کوشش میں جس حد تک کامیاب ہوتے ہیں ان کو اسی حد تک سکون اور تحفظ کا احساس رہتا ہے۔ اس صورت حال کا تعلق زمانہ قدیم سے ہے جب انسان نے ابھی بولنا اور سمجھنا سیکھا تھا آگے چل کر اس عمل میں ایک نئی چیز کا اضافہ ہوا اور وہ یہ ہے کہ ایسا کرنے میں انسان ایک طرح کی لذت محسوس کرنے لگا جس کو اس نے اپنی انا کا نام دیا جو آج کے ترقی یافتہ انسانی معاشرے کے ہر فرد میں پائی جاتی ہے۔ انسان نے اپنا مطلب بیان کرنے کیلئے الفاظ کو جو معانی پہنا رکھے ہیں ان معانی کو جس Sense میں وہ لیتا ہے اس کے مطابق اثر قبول کرتا ہے کوئی بھی انسان چاہے وہ بہت بڑا حقیقت پسند ہی کیوں نہ ہو اپنے خلاف ناپسندیدہ الفاظ کو سن کر درگزر نہیں کرتا اور پسندیدہ الفاظ سن کر اچھا محسوس کرتا ہے جب کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں اصل حقیقت اپنی جگہ جوں کی توں برقرار رہتی ہے لیکن وہ ناپسندیدہ الفاظ جو ایک شخص دوسرے شخص کی زبان سے سن چکا ہے وہ الفاظ کہنے والے کا اپنی جگہ چاہے کچھ اور مفہوم بنتا ہو سننے

Marfat.com

والے نے جو مطلب لے لیا ہے وہ اس مطلب کے تحت اپنے مخالفوں میں ایک اور شخص کا اضافہ کر چکا ہوتا ہے اور یہ سب کچھ خوف کے تحت ہوتا چلا آ رہا ہے جس خوف کا شکار سب سے پہلا انسان ہوا تھا اب تک نہ جانے اس کی کتنے لاکھ نسلیں گزر چکی ہیں یکے بعد دیگرے انسان اسی خوف کا نشانہ بن کر رہ گیا ہے میرے نزدیک اس غلط روش کی بنیادی وجہ انسان کا ناقص علم ہے انسان حقائق سے نا آشنا ہونے کے باوجود خود کو کئی اعتبار سے مکمل آگہی کا حامل تصور کرتا ہے جب کہ انسان کا علم ہر صورت میں ناقص ہے اس کی بہت ساری مشکلات کا حل اس بات میں مضمر ہے کہ انسان کا اس حقیقت پر پختہ یقین ہو جائے کہ اس کا علم زندگی اور کائنات کے بارے میں بہت کم ہے اس کی اپنی ذات کئی اعتبار سے نامکمل ہے اور پوری کائنات میں کوئی بھی چیز مکمل نہیں ہے ہر چیز کسی نہ کسی لحاظ سے تکمیل کے مراحل سے گزر رہی ہے اور ہمیشہ ہی گزرتی رہے گی لیکن کبھی بھی پا نہ تکمیل تک نہیں پہنچے گی یہی حال انسانی زندگی کا ہے کوئی انسان کسی بھی اعتبار سے کبھی بھی تکمیل تک نہیں پہنچتا انسانی وجود کے لحاظ سے، انسانی ذہانت کے لحاظ، جسمانی قوت کے لحاظ سے یا کسی بھی وصف کے لحاظ نے کبھی مکمل نہیں ہوتا بلکہ تکمیل سے پہلے ہی اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

یہ تھی تیسری چیز جس کو انسان نے فساد کا باعث ہونے کا خطاب دے رکھا ہے جب کہ یہ بات سرا سر غلط ہے کہ زمین جس پر زندگی آباد ہے اس زمین کا اپنا وجود ہی فساد کا باعث ہے۔ سر زمین کو مختلف حصوں میں بانٹ کر انسان خود ہی اس پر قابض ہو جاتا ہے اس سے اپنا رزق پیدا کرتا ہے اور رزق پیدا کرنے کے جتنے بھی طریقے انسان نے اپنا رکھے ہیں ان تمام طریقوں کا کسی نہ کسی طرح زمین ہی سے تعلق ہوتا ہے لیکن انسان اپنی کم علمی اور غلط سوچ کے موجب زمین کو مورد الزام ٹھہراتا ہے اس سے بھی انسان کی نااہلی اور جہالت کا ثبوت ہی ملتا ہے۔

زندگی ایک ہی پراسیس کے تحت وجود میں آتی رہی ہے :۔ وہ وقت چاہے کتنی دیر سے آئے لیکن آئے گا ضرور جب انسان شعوری سطح پر بھی اور

Marfat.com

لاشعوری سطح پر بھی یہ بات تسلیم کرے گا کہ فطرت نے انسان سمیت مکمل زندگی کو ایک ہی پراسیس کے تحت پیدا کیا ہے۔ ابھی چونکہ انسان کا علم کائنات کے بارے میں بہت کم ہے اور جتنا کچھ اس کے علم میں ہے وہ بھی ناقص ہے اس لئے کائنات کے حوالے سے فطری سچائیوں کو جانچنا' پرکھنا اور انہیں درست تسلیم کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ انسان اور کائنات کے حوالے سے سوچنا اور فطری حقائق کے بارے میں انکشافات کرنے والی شخصیتوں میں سے اس موجودہ دور میں صرف سائنسدان حضرات میدان میں رہ گئے ہیں فلسفیانہ نہج پر چلنے والے مفکرین نے ماضی میں بہت زیادہ کام کیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فلاسفر حضرات اپنی پس پردہ گفتگو کے ساتھ ساتھ خود بھی پس پردہ چلے گئے ہیں۔ میرے خیال میں ایسا اس وجہ سے ہوا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ فلاسفر حضرات زندگی اور کائنات کے بارے میں عام فہم انداز میں بات نہیں کرتے اور پھر فلسفہ ایسا مضمون ہے جس سے عام آدمی کو کوئی واسطہ نہیں پڑتا فلسفیانہ تحریروں میں اور گفتگو میں جو الفاظ اور اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں عام لوگوں کی زبان میں ان کے استعمال کا رواج ہی نہیں ہوتا جو بات ایک سچائی بن کر ہمارے مشاہدات میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ جس بات میں اور جس کام میں انسانی برادری کو اپنا مفاد نظر آتا ہو لوگ اس بات کی طرف دھیان بھی دیتے ہیں اور اس کام میں خود بخود دل چسپی بھی لیتے ہیں جہاں تک علم و آگہی کا تعلق ہے ماضی کے انسان کے مقابلے میں آج کا انسان بے حد مصروف ہونے کے باوجود انسانی زندگی اور کائنات کے بارے میں جاننے کیلئے ذہنی طور پر ہر لمحہ تیار رہتا ہے کیونکہ آج کا انسان ہوائی قصے اور کہانیوں کے مقابلے میں سمجھ میں آنے والی اور منطقی حقائق پر مبنی باتوں کو قبول کرنے لگا ہے اور وہ ہیں سائنسی میدان میں کئے جانے والے مشاہدات' آپ نے دیکھا کہ سائنسدانوں نے جہاں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ وہ سیارہ جس کو انسان نے چاند کا نام دے رکھا ہے وہ بھی ہماری زمین کی طرح کروڑوں اجرام فلکی میں سے ایک ہے اور زمین ہی کی طرح اپنے محور پر گھوم رہا ہے' وہاں سائنسدانوں نے فضا میں ایسے مصنوعی سیارے بنا کر بھی چھوڑ دیئے ہیں جو

Marfat.com

زمین کے گرد چکر لگا رہے ہیں جن کے ذریعے ہم پوری زمین پر رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں لحہ بہ لحہ آگہی حاصل کرتے رہتے ہیں علاوہ ازیں سائینسدانوں نے ہزاروں کی تعداد میں انسانی ضرورتوں کے لئے ایجادات کی ہیں جن سے پوری انسانیت فائدہ اٹھا رہی ہے جب کہ فلسفی حضرات میں کچھ تو ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے اس مشکل ترین مضمون کو دیدہ دانستہ اپنی خواہش کے طور پر مشکل ترین الفاظ کا جامہ اس لئے پہنایا تاکہ ان کا پیدا کیا ہوا فلسفیانہ ادب عام قاری کی ذہنی سطح سے بلند رہے اور اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکیں جو ان کی اپنی ذہنی سطح کے برابر قابلیت رکھتے ہوں دوسرے انہوں نے جو کچھ بھی کہا اسے حرف آخر کے طور پر پیش کیا اور تمام زندگی انہیں خیالات و نظریات پر زور دیتے رہے جب کہ ان کے بہت سارے نظریات بعد میں غلط ثابت ہوئے۔

سائنس جن بنیادوں پر استوار ہو رہی ہے وہ بنیادیں اس لئے حوصلہ افزا ہیں کہ اس کی کارکردگی کے نتائج حوصلہ افزا ہوتے ہیں۔ اس میدان میں انسانی ذہن کی اب تک کی دریافت کردہ تین قوتوں کے باہمی اشتراک سے کام ہو رہا ہے یہ تین قوتیں ہیں' "تخیلات' مشاہدات اور تجربات" میرے نزدیک انسانی سوسائٹی کی بقا اور فلاح کیلئے یہ راستہ معتبر راستہ ہے ممکن ہے آگے چل کر کتنے اور نئے راستے تلاش کر لئے جائیں گے کیونکہ جس طرح ہماری آنکھوں کے سامنے مٹی سے ایک پودہ پھوٹ نکلتا ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ بڑا ہو کر پھول اور پھل دے کر پھر مٹی میں مل جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا پودا نکلتا ہے اسی طرح ایک فطری عمل جاری ہے جو پوری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے جس حد تک انسان کی عقل نے دریافت کیا ہے اس سے آگے بھی کائنات ہے جو انسان کی پہنچ سے آگے ہے اور جو مسلسل ایک عمل میں سے گزر رہی ہے۔

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ ہم انسانی تاریخ کا سائنس کے حوالے سے جائزہ لے رہے ہیں لیکن دوران گفتگو انسانی سوسائٹی کے مختلف رویوں کا ذکر آ جانا ایک قدرتی امر ہے تاہم ان مختلف رویوں کا تفصیل سے ذکر کرنا مقصود تو ہرگز نہیں

Marfat.com

ہوتا البتہ تقابلی انداز میں مثالاً" ذکر ضرور کرنا پڑ جاتا ہے یہ وضاحت مجھے اس لئے کرنی پڑی ہے کہ سائنس ضابطہ حیات کے طور پر شاید ابھی اس درجہ وسعت حاصل نہیں کر سکی کہ انسانی سوسائٹی کے ہر مسئلے کا حل پیش کر سکے لیکن اس کا بہرحال زندگی کے بارے میں ایک واضح نقطہ نظر ہے جس کا زندگی کے باقی نقطہ ہائے نظراور رویوں سے موازنہ کیا جا سکتا ہے جس کے تحت سائنسی نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان اپنے تمدنی قوائد و ضوابط کے تحت ہر وہ چیز اپنا لے جو اس کی اجتماعی فلاح میں مد ثابت ہو سکتی ہو اور ہر وہ چیز ترک کر دے جو اس کے مفاد میں نہ ہو۔ نیکی اور بدی عملاً" تو انہی اوصاف کی آئینہ دار ہوتی ہیں البتہ معنوی اور روائت کے اعتبار سے ان کا مختلف نقطہ نظر کے تحت بھی تعین کیا جاسکتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مختلف نقطہ نظر کے تحت تعین کیا جاتا ہے تو زیادہ بہتر ہو گا۔ اس طرح اگر سائنسی نقطہ نظر کو سامنے رکھا جائے تو جو واضح صورت حال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسانی تمدن میں جب کوئی ایسا قانونی مسئلہ پیدا ہو جائے جس کے تحت کسی ضابطے کی کسی مد کو برقرار رکھنے کی صورت میں کوئی الجھن پیدا ہو رہی ہو تو ارباب بست و کشاد بااختیار ہیں کہ وہ اس قانون میں ترمیم کر دیں تاکہ روزمرہ زندگی کے معمولات میں رکاوٹ نہ پڑے۔

روائت حرف آخر نہیں ہے:۔ جیسے کہ ہم سب اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا ہیں کہ کئی سال پہلے کے بنے ہوئے ضابطے موجودہ صورت حال سے مطابقت نہیں رکھتے لہذا ان میں ترمیم ناگزیر ہو جاتی ہے جو کہ موقع کی مناسبت سے کرنا پڑتی ہے۔ انسانی برادری میں اب تک کے تاریخی تناظر میں جھانکنے سے جو تاثرات ملتے ہیں ان کے مطابق چونکہ کوئی بات حرف آخر کی حیثیت نہیں رکھتی اور انسانی ذہن کے ارتقائی عمل سے بھی ہمیں یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ یہ تغیرپذیری انسانی نقطہ نظر سے بہتری کی طرف مائل ہے بالفاظ دیگر انسانی علم میں اضافہ ہو رہا ہے اس لئے انسان کا یہ مان لینا ہی اس کی فلاح کا باعث بنے گا کہ اسے اپنی روایات کو حرف آخر کے طور پر تسلیم نہیں کرنا چاہئے کیونکہ سب روایات جو اس کی اپنی بنائی ہوئی ہیں وہ ہم سب کی بہتری کیلئے ہیں نہ کہ ہمیں کسی بھی طرح مقید کرنے

Marfat.com

کیلئے ہیں۔ یہ بات بھی ایک مصدقہ سچائی کی حیثیت رکھتی ہے کہ انسانی زندگی میں جتنے بھی مسائل ہیں وہ سب انسان کے خود پیدا کردہ ہیں۔ ہم سب اس حقیقت سے واقف ہیں کہ بہت ساری روایات ہیں جن کو انسانی زندگی پر ترجیح دی جاتی ہے جب کہ اس عمل میں انسانی عظمت کی توہین کا پہلو نکلتا ہے ہر ضابطہ' ہر قانون اور ہر روائت کا وجود میں آنا انسانی تحفظ کی ضمانت ہوتا ہے کسی بھی قانون کا منشا انسان کا تحفظ ہوتا ہے قانون کی حفاظت کے طور پر انسانی جانوں کی قربانی دینا عقلمندی پر دلالت نہیں کرتا۔ انسان مختلف گروہوں میں بٹا ہوا ہے اور ہر گروہ کی اپنی روایات ہیں جنہیں برقرار رکھنے کیلئے انسانی جانوں کی قربانی تک دیدی جاتی ہے فرض کریں اس روئے زمین پر تمام انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے اور وہ دونوں گروہ اپنے اصولوں کی خاطر ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہو جائیں جب کہ ان کے اصولوں میں اختلافات ہوں جو ان کے درمیان جنگ کا موجب بن جائیں اور لڑتے لڑتے دونوں اطراف کے کروڑوں انسان لقمہ اجل بن جائیں اور نتیجہ یہ نکلے کہ دونوں اطراف کے افراد ختم ہو جائیں لیکن ان کے اصول باقی رہ جائیں تو آپ اس کو عقلمندی تو نہیں کہیں گے بلکہ وحشت کا نام دیں گے اگر تو واقعی آپ نے اس عمل کو وحشت قرار دیا ہے تو پھر یاد رکھیں کہ مذکورہ عمل کے تحت ایک انسان کا قتل بھی وحشت ہی ہوگا کیونکہ یہ فعل بھی تو اس وحشت ہی کا حصہ ہے اس لئے جب تک انسان اس وحشیانہ عمل کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوگا چاہے وہ دوسرے سیاروں پر اپنی بستیاں بسانے میں کامیاب کیوں نہ ہو جائے اس کی سوسائٹی میں پر امن فضا قائم نہیں ہو سکے گی۔

اس موقع پر میں ایک ایسا نکتہ زیر بحث لانا چاہتا ہوں جس کی طرف میرے خیال کے مطابق شاید توجہ نہیں دی جاتی۔ انسانی سوسائٹی میں بے شمار طرز زندگی اپنائے جا چکے ہیں اور ان کی وقتاً" فوقتاً" اصلاح بھی کی جاتی رہتی ہے میرا مطلب ہے ضرورت کے تحت قوانین میں ترامیم کی جاتی ہیں لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ انسانی معاشرے میں جرائم کی شرح غالباً" ایک سی چلی آ رہی ہے جب انسانی آبادی کم تھی تو جرائم بھی کم ہوتے تھے اور اب جہاں بھی آبادی زیادہ ہوتی ہے تو جرائم کی تعداد بھی

Marfat.com

بڑھ جاتی ہے اس وقت میں امیر اور غریب طبقوں کی بات نہیں کر رہا صرف انسانی نفوس کی تعداد کے حوالے سے بات کر رہا ہوں میرے اندازے کے مطابق معمولی فرق کے ساتھ انسانی سوسائٹی میں جرائم بدستور چلے آ رہے ہیں جب جرائم کو روکنے کیلئے اس قدر قوانین اور ضابطے پہلے سے موجود بھی ہیں اور نئے بھی بنائے جا رہے ہیں اور رفتہ رفتہ انسانوں کی اکثریت اس خیال سے متفق نظر آتی ہے کہ قانون وضع کرنے والے ادارے اگر بغیر کسی رکاوٹ کے اپنا کام جاری رکھ سکیں اور ضرورت کے مطابق قوانین وضع ہوتے رہیں تو مسائل کے حل کرنے میں سہولت پیدا کی جاسکتی ہے۔ لیکن جس نکتے کی طرف دھیان نہیں دیا جا رہا وہ یہ ہے کہ جب سے انسانی زندگی عالم وجود میں آئی ہے اس کو برقرار رکھنے کے بنیادی اصول شروع سے لے کر آج تک وہی ہیں جو ابتدا میں ہی متعین کئے گئے تھے اور اگر ان اصولوں کے مطابق یا ان اصولوں کو برقرار رکھنے کیلئے قوانین وضع کئے گئے تھے تو ان پر عمل پیرا رہ کر زندگی کو تحفظ حاصل ہو سکتا ہے اور ہونا چاہئے لیکن ہم یہ تماشہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف زندگی کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے قوانین بنانے والوں کی تعداد بے تحاشہ بڑھ رہی ہے اور قوانین و ضوابط بھی اسی رفتار سے بڑھ رہے ہیں لیکن دوسری طرف افراتفری' بے چینی' قوانین کی خلاف ورزی اور دہشت گردی انسانی سوسائٹی میں برابر چلی آرہی ہے اور بڑھتی جا رہی ہے کسی طور کم نہیں ہو رہی ہے اس ساری صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے اس نکتے پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر وہ انسانی فعل جس کو روکنے کی بین الاقوامی سطح پر بھی کوششیں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں تو اس کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں اب اگر میں یہ لکھوں کہ یہ جو انسانی سوسائٹی میں ارباب بست و کشاد ہیں وہ کچھ وقت کیلئے قوانین بنانا ترک کر کے سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس بات پر غور کریں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اتنی کوششوں کے باوجود انسان کے مسائل حل ہونے کی بجائے ان میں آئے دن مزید اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے تو میری یہ بات کہنے سے دنیا بھر کے ارباب بست و کشاد نہ تو سر جوڑ کر بیٹھیں گے اور نہ ہی وہ اس حوالے سے انسانی مسائل پر غور فرمائیں گے بلکہ ان کی طرف سے متوقع جواب یہ ہو

Marfat.com

سکتا ہے کہ وہ تو پہلے ہی سے انسانی مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں سرگرداں ہیں اس لئے ان کو مزید پش (Push) کرنا تو ان کی توہین کے مترادف بھی ہو سکتا ہے لیکن اپنا موقف یہ ہے کہ وہ اپنی ان کوششوں میں کامیابی کم حاصل کر رہے ہیں اور نقصان زیادہ ہو رہا ہے زندگی کو پر سکون بنانے میں پیش رفت کم ہو رہی ہے اور اس کے مسائل میں آئے دن اضافہ زیادہ ہو رہا ہے اس طرح یہ سب کچھ اس بات کا جواز بنتا ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی خرابی ضرور ہے جسے تلاش کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں میرا خیال یہ ہے کہ جن مسائل اور مشکلات کا اوپر ذکر ہوا ہے ان مسائل کے پیدا ہونے کی وجوہات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تاکہ ہم اصل صورت حال سے آگہی حاصل کر سکیں کہ انسانی تگ و دو بار آور کیوں نہیں ہو رہی ہے عوامی زندگی کے مسائل میں کیوں اضافہ ہو رہا ہے؟

انسانی المیہ :۔ انسانی سوسائٹی کا سب سے بڑا المیہ روز اول ہی سے یہ رہا ہے کہ ہمیشہ طاقتور طبقہ ہی سزا جزا کا مالک رہا ہے اور اس طبقے کے افراد زندگی کی بہترین سہولتوں کے استعمال کے عادی بھی ہوتے ہیں اور زندگی کی سہولتوں کو خود محنت کر کے حاصل کرنے کا ان کے ہاں رواج بھی نہیں ہوتا گزشتہ زمانوں میں بادشاہت کا رواج ہوتا تھا جس کی مثالیں تو ابھی تک موجود ہیں۔ بادشاہ کے محلات' اس کا عملہ' اس کی افواج کے جتنے بھی اخراجات ہوتے تھے وہ سب رعایا کی کمائی ہی سے پورے ہوتے تھے۔ بادشاہ جس قدر زیادہ اخراجات کرتا تھا۔ رعایا کو اسی قدر زیادہ خراج ادا کرنا پڑتا تھا اور بادشاہ کے اہلکار عوام کا مزید خون نچوڑ لیا کرتے تھے آج جمہوریت کا دور دورا ہے اس میں ہر پارلیمانی عہدیدار اپنی جگہ ایک بادشاہ ہے اس طرح حکومت کی مشینری کے تمام عہدیدار چاہے ان کی تعداد ہزاروں افراد پر مشتمل ہو وہ عوام پر ٹیکس لگا کر اتنا زر سرکاری خزانے میں جمع کر لیتے ہیں جو ان تمام افراد کی بادشاہوں جیسی ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کیلئے بھی کافی ہو اور حکومت کو چلانے کیلئے جو اخراجات ہوتے ہیں وہ بھی پورے ہو جائیں بادشاہتوں کے وقتوں میں جن ظالمانہ باتوں کو رواج دیا گیا' بادشاہتوں کے صفحہ ہستی سے مٹ جانے کے باوجود وہ ظالمانہ رواج معاشرے میں اس

Marfat.com

طرح جڑ پکڑ گئے ہیں کہ موجودہ نئے جمہوری نظام میں بھی قانونی حیثیت اختیار کر گئے ہیں وہ ہیں افواج کے بڑے بڑے عہدیداروں میں انعام کی صورت میں لاکھوں ایکڑ اراضی کی تقسیم انسانی سوسائٹی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ہم یہ جانتے ہیں کہ کسی ملک کا سب سے طاقتور طبقہ فوج ہی ہوتی ہے اس لئے افواج کے تمام اخراجات پہلے پورے کئے جاتے ہیں جب کہ یہ شعبہ کسی بھی طرح پیداواری صلاحیت کا حامل نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے اخرجات کو پورا کرنے کی قانونا" ہر شہری کی ذمہ داری ہوتی ہے سرکاری مشینری میں بہت زیادہ لوگ مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دیتے ہیں لیکن چونکہ ان کی حیثیت انفرادی قسم کی ہوتی ہے اس لئے ان میں سے چاہے کوئی کتنا بڑا کارنامہ کیوں نا سرانجام دے اسے انعام میں جاگیر نہیں دی جاسکتی لیکن افواج کے تمام بڑے بڑے عہدیداروں کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے جاگیریں انعام کے طور پر دی جاتی ہیں جب کہ کسی بھی ملک کی افواج کے تمام سپاہیوں کا تعلق بھی اسی ملک سے ہوتا ہے لیکن کبھی کسی سپاہی کو انعام کے طور پر جاگیر نہیں دی جاتی پھر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کسان اور حاری جو غلہ پیدا کر کے نوع انسان کو خوراک مہیا کرتے ہیں وہ لوگ تمام زندگی بے زمین ہی رہتے ہیں اور جن لوگوں کو جاگیریں انعام میں دے دی جاتی ہیں وہ فوجی افسران زندگی بھر ان محنت کش کسانوں پر ظلم و زیادتی روا رکھتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں امن و سکون کی فضا کا برقرار نہ رہنا اچنبے کی بات نہیں ہے۔ اس موقعے پر میں کسی بھی جمہوری ملک کی مثال آپکی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ اصل صورتحال سامنے آجائے کہ انسان کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کر کے خود اپنی ہی نوع کا استحصال کر رہا ہے مثال کے طور پر برصغیر کے کسی جمہوری نظام والے ملک میں ایک صدر ہوتا ہے ایک وزیر اعظم۔ سینیٹ' اس کے ممبران' پارلیمنٹ اس کے اراکین' صوبوں کے وزرائے اعلیٰ ان کی پارلیمانی' صوبائی اسمبلیاں ان کا عملہ' سپریم کورٹ کے جج حضرات' صوبوں کے ہائی کورٹ اور ان کے جج حضرات' صوبوں کی ذیلی عدالتیں اور ان کا عملہ' اس کے علاوہ ملک کی افواج ہیں۔ ان تمام شعبوں پر جو اخراجات اٹھتے ہیں وہ لازمی اور حتمی حیثیت کے ہوتے ہیں جن

Marfat.com

میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی جب کہ ان اخراجات کو پورا کرنے پر ہی ملک کے وسائل کی کمر ٹوٹ جاتی ہے ان سے جو رقم بچ جائے گی وہ فلاح عامہ پر خرچ ہوگی جب کہ اس باقی ماندہ رقم کا بھی کافی حصہ اسے فلاح عامہ پر خرچ کرنے والا عملہ کھا جاتا ہے اور چونکہ وہ عملاً بھی بااختیار ہوتا ہے اس لئے کے تقاضے پورے ہونے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح ذرائع آمدن اور اخراجات کے وسائل طاقتور طبقے کے ہاتھوں میں ہوتے اسی طرح سزا و جزا کے اختیارات بھی طاقتور ہاتھوں میں ہوتے ہیں اور ان تمام طاقتور لوگوں کی اکثریت زندگی کی سہولتوں پر قبضہ کرنے کے درپے رہتی ہے جب کہ یہ رجحان سرا سر غلط ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی سوچنے اور فکر کرنے کی سمت درست نہیں ہے جس پر بحث کرنے کا جواز موجود ہے۔

Marfat.com

انسانی ذہن کا ارتقا

سائنسی نظریئے کے مطابق غالباً" آج سے پچاس کروڑ سال پہلے اس روئے زمین پر زندگی کا آغاز ہوا تھا جب پروٹوزوآ' جیلی' مچھلی' مونگے اور کیڑے وغیرہ پیدا ہونا شروع ہوئے تھے اس کے بعد زندگی مختلف صورتوں میں پیدا ہوتی رہی جس کا حال آپ بیانیہ طور پر کتاب کے شروع میں پڑھ چکے ہیں یہ سلسلہ تقریباً" دس کروڑ سال تک چلتا رہا اور اس دوران میں بہت بڑے بڑے جانور پیدا ہوئے جن کا وزن چوراسی ٹن کے لگ بگ ہوتا تھا لیکن پھر کچھ ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ وہ بڑے بڑے تمام جانور ختم ہوگئے اور ان کی نسل آگے نہ چل سکی۔ لیکن زندگی کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔

حیات وسطی :۔ اس کے دس کروڑ سال بعد کی صورت حال کچھ اس طرح کی تھی کہ ہزاروں قسم کے جانوروں میں جو بڑے بڑے جانور زمین پر موجود تھے ان میں ڈینو سار بھی تھے جن کا وزن پینتیس ٹن کے قریب قریب تھا یہ جانور بھی آہستہ آہستہ صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور آگے چل کر دودھ پلانے والے جانور پیدا ہو گئے جو آج بھی کئی اقسام کی شکل میں دنیا میں موجود ہیں۔

حیات انسان کا آغاز :۔ ماہرین کا خیال ہے کہ روئے زمین پر جن حیوانی اقسام میں بندر اور لنگور شمار ہوتے ہیں یہ وہ اقسام ہیں جو حیوانات اعلیٰ میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ باقی تمام جانداروں کے مقابلے میں ان کے دماغ بڑے ہیں اور یہی دونوں نسلیں انسان کے جد امجد ہو سکتے ہیں لیکن ابھی تک ان میں سے انسانی نسل میں منتقل ہونے کے ابتدائی آثار شواہد کے طور پر مل نہیں رہے اس لئے ماہرین کا خیال ہے کہ جن ایام میں ان میں سے کوئی نسل دو پاؤں پر چلنا شروع کرنے والی تھی اس سے کچھ عرصہ پہلے یہ اقسام ایک دوسرے سے بچھڑ گئی ہونگی اس لئے سائنسدانوں کے مطلوبہ شواہد مل نہیں رہے ہیں جہاں اس بات کا امکان ہے کہ انسانوں میں منتقل

Marfat.com

ہونے والی اقسام دوسری اقسام سے بچھڑ گئی ہونگی وہاں دو اور وجوہات ہیں جن پر غور کیا جاسکتا ہے۔ پہلے نمبر پر اس بات کا امکان ہے کہ کسی بھی حیوانی نسل سے انسانی نسل میں منتقلی کے رکاز جو سائیس دانوں کو شواہد کے طور پر درکار ہیں وہ کسی فطری طوفان کی اس طرح نذر ہو گئے ہوں کہ ان کا کبھی بھی کوئی نشان نہ مل سکے اور دوسرا امکان جو نہائت باوثوق ہے وہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں اب تک انسان اس روئے زمین کا چپہ چپہ تو نہیں چھان سکا البتہ تحقیق جاری ہے عین ممکن ہے کہ کل ہی کوئی سراغ (Clue) مل جائے یا ہزاروں سال بعد جا ملے کیونکہ انسان کی تحقیقاتی قوت میں آئے دن اضافہ تو ہو ہی رہا ہے اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ انسان کوئی ایسا آلہ ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جائے جس کی مدد سے ابتدائے حیات سے لے کر اب تک کی تمام انواع کے رکاز معلوم کرنا کوئی مشکل بات نہ رہے ویسے یہ بات کوئی معمولی نوعیت کی تو ہے نہیں کم از کم دس لاکھ سال پہلے کے واقعات میں سے اس بات کا سراغ لگانا ہو گا۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اگر روئے زمین پر سائنس دانوں کے مطلوبہ رکاز کہیں موجود ہیں تو حضرت انسان انہیں تلاش کرنے میں ضرور کامیاب ہو گا۔

انسانی ذہن کی ارتقائی رفتار ماضی میں بہت ہی ست رہی ہے جس کو فطری پراسیس کا حصہ کہنا ہی درست معلوم ہوتا ہے اور فطری پراسیس کے بارے میں بھی انسانی معلومات یہ ہیں کہ روئے زمین پر زندگی نے کبھی تو بہت ہی ست رفتاری سے اپنا سفر طے کیا اور کبھی بہت تیزی کے ساتھ بالیدگی حاصل کی۔ یہی حال انسانی ذہن کی ارتقائی منازل طے کرنے کا ہے جو ماضی میں تو بہت ہی ست تھی لیکن موجودہ صدیوں میں انسانی ذہن نہایت تیزی کے ساتھ اپنا راستہ طے کر رہا ہے اس سلسلے میں انسان نے شروع سے لیکر جو اوصاف اپنے کردار میں سموئے ہیں ان میں سے کچھ ایسے اوصاف بھی ہیں جن پر بہت عرصہ پہلے اگر وہ نظر ثانی کر لیتا تو ان اوصاف سے اسے نجات حاصل ہو گئی ہوتی لیکن وہ ایسا کرنے میں بوجوہ ناکام رہا ہے۔ کیونکہ جب انسان نے روئے زمین پر کسی حد تک باقی مخلوق سے بچاؤ کے طور طریقے سیکھ لئے ہوں گے ،

Marfat.com

تو اس کو کچھ نہ کچھ فراغت کے لمحات میسر تو آ گئے ہوں گے لیکن وہ وقت ایسا ہرگز نہیں تھا جس میں وہ کسی قسم کی کوئی منصوبہ بندی کر پایا ہو گا یا باقی اپنے جیسے دوسرے افراد کو جمع کر کے کسی قسم کی مشاورت کا اہتمام کرنے کے قابل ہوا ہو گا کیونکہ اگر اس زمانے میں انسان اجتماعی طور پر غور و فکر کی نہج پر چل نکلتا تو یقیناً اپنے کئی ناپسندیدہ اوصاف کو ترک کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوتا لیکن ماضی بعید میں اس کے عقل و شعور میں مطلوبہ پختگی پیدا نہ ہو سکی کیونکہ وہ ایسا موقع تھا جس میں زیادہ تر انسان انفرادی سوچ رکھتا تھا اور انفرادی سلامتی کے لئے کوشاں رہتا ہو گا۔ اس وقت فراغت کے لمحات میں انسان کیا سوچتا ہو گا اس کے بارے میں یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ ان ایام کے دوران انسان کے بارے میں جو بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک تو وہ وقت پتھر کے زمانے سے پہلے کا ہے اور دوسرے وہ ایسا زمانہ تھا جس میں انسان نے اپنے سے زیادہ طاقتور مخلوق سے بچاؤ کے لئے ابھی کوئی خاص اوزار تیار نہیں کئے ہوں گے بلکہ اس وقت کے انسان نے چھل' فریب اور چکمہ دینا سیکھا ہو گا کیونکہ باقی مخلوق کے مقابلے میں انسانی ذہن سوچ کے اعتبار سے بہتر تھا اس لئے جو فن انسان نے سب سے پہلے سیکھا ہو گا وہ چھپ کر جان بچانے کا فن ہی ہو گا ویسے بھی اس وقت انسان کیلئے جان بچانا ہی مقصد حیات تھا اور چونکہ دوسری مخلوق کے مقابلے میں عقل انسان کا زیادہ ساتھ دے رہی تھی اس لئے اس نے عقل کا استعمال شروع کر دیا تھا اور اس کا دو ٹانگوں پر چلنا اور دو ٹانگیں اپنے پاس ہر وقت کسی بھی طرح کے استعمال کیلئے بطور اوزار محفوظ رکھنے کے عمل نے انسان کے ذہنی ارتقا میں بہت بڑا کردار ادا کیا تھا لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ انسان نے باقی مخلوق سے شعوری سطح پر بلند ہوتے ہی جس وصف میں مہارت حاصل کی اس وصف سے تمام کوششوں کے باوجود آج تک اپنے کردار کو پاک نہیں کر سکا۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت جس شے کی ضرورت تھی وہ قصداً" حاصل نہیں کی گئی تھی بلکہ لاشعوری طور پر اختیار کر لی گئی یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس وقت انسان نے اپنے سے زیادہ طاقتور درندوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی خاطر چھل' فریب' دھوکا

Marfat.com

اور جھوٹ جیسے اوصاف مجبوراً" اپنائے ہوں گے جو رفتہ رفتہ اس کی فطرت کا حصہ بن گئے۔ اس وقت کی دوسری شے جو انسان کو ورثے میں ملی وہ ہے "خوف" یہ خوف انسان کے دل و دماغ میں رہتا ہے اور یہ خوف ہر جاندار کے اندر تمام زندگی موجود رہتا ہے۔ اگر انسان چاہے تو اس خوف میں کافی حد تک کمی کی جاسکتی ہے لیکن اسے مکمل طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ خوف جانداروں کی جبلت میں شامل ہو چکا ہے لیکن وہ چھل اور مکر و فریب جو انسان نے جانوروں میں رہتے ہوئے سیکھا تھا آج کا انسان چاہے تو مکمل طور پر چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے لیکن شاید ابھی وہ وقت نہیں آیا جب انسان ماضی کے آئینے میں اس خیال سے دیکھے گا کہ ابتدائے حیات سے لے کر موجودہ عہد تک وہ کیا کیا خباثتیں اپنے کردار میں شامل کئے ہوئے اپنے ساتھ ساتھ لا رہا ہے جن کی اب اسے کسی بھی اعتبار سے کوئی ضرورت نہیں ہے اور ان کو ترک کر دینا ہی اس کے مفاد میں ہے۔

جب انسانی ذہن کی ترویج و ترقی کی ابتدا ہوئی ہو گی اگر ہم اس وقت کو اپنے تصور میں لا کر دیکھنے کی کوشش کریں تو معلوم ہو گا کہ وہ وقت بڑا خوفناک اور بڑا شدید ہوتا ہو گا لیکن چونکہ اس وقت کا انسان بھی جسمانی طور پر بہت ہی مضبوط ہوتا تھا اس لئے دونوں محاذوں پر لڑتا رہا۔ اپنی لاعلمی کے تحت فطری آفات کے سامنے اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرتا رہا اپنی شعوری قوت کے استعمال سے اپنے علاوہ باقی مخلوق سے محفوظ رہنے کے طور طریقے سیکھتا رہا۔ جانوروں کو ہلاک کرتا اور ان کو اپنی خوراک کا حصہ بناتا اور زندہ جانوروں کو اپنے قابو میں رکھ کر اپنے استعمال میں لاتا۔ اور آسمانی آفات سے بچنے کے اسباب پیدا کرتا رہا انہی افعال کو دہراتے ہوئے انسان یہاں تک پہنچا ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ دوسرے کو یا مد مقابل کو جان سے مارنا اور خوراک چھین کر کھانا انسانی جبلت میں شامل ہے تو یہ بات بلا شبہ درست معلوم ہوتی۔

جب انسان کی ذہنی سطح بلند ہونا شروع ہوئی ہو گی تو وہ لاشعوری طور پر اس بات کا عملی مظاہرہ تو کرتا ہو گا۔ یہ کیفیت کئی ہزار سال تک چلتی رہی ہو گی اور جب

اس کو شعوری طور پر یہ احساس ہوا ہو گا کہ اس کا ذہن باقی جانوروں کے مقابلے میں بہتر کام کرتا ہے تو اس صلاحیت کے ثبوت کے طور پر انسان نے پتھر کے عہد کا آغاز کیا تھا۔ پتھر کا زمانہ انسانی زندگی میں وہ طویل ترین عہد ہے جس کے دوران اس نے باقاعدہ طور پر اپنی تمدنی زندگی کا آغاز کیا تھا اور اسے شعوری طور پر باقی مخلوق پر اپنی عقلی بالادستی کا احساس ہوا تھا۔ اسی عہد کے دوران انسان نے قبیلوں کی شکل میں روئے زمین پر آب و ہوا کے حوالے سے پھیلنا شروع کیا اور پتھر کے عہد سے نکلتے نکلتے انسان کافی حد تک جانوروں پر حاوی ہو چکا تھا اور لوہے کے عہد میں داخل ہونے تک اپنی نوع کا ہر میدان میں اور ہر اعتبار سے جانی دشمن ہو چکا تھا اس دشمنی میں آج تک کس اعتبار سے کوئی کمی واقع ہوئی ہے یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے لیکن اس وقت سے لے کر اب تک انسانی ذہن نے بہت ساری ارتقائی منازل طے کی ہیں موجودہ صدی کے دوران انسانی ذہن جس تیزی سے ترقی کر رہا ہے اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ آئندہ چل کر انسان کا ذہنی ارتقا مزید تیز ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کو کوئی انہونی واردات پیش نہ آجائے جس کی وجہ سے اس کی ذہنی بالیدگی متاثر ہو جائے۔ کیونکہ انسان کے ارتقائے ذہن کے راستے میں رکاوٹ کا باعث بھی نوع انسان کے تمام نظریاتی طبقات ہی ہیں کوئی آفاقی قوت تو انسان کے کاروبار میں کبھی مخل نہیں ہوتی بلکہ صرف نظریاتی فرقے ہی ہیں جو انسان کے عقل و شعور میں اضافے سے ہمیشہ خائف رہے ہیں۔ جبکہ جیسے جیسے انسان کے عقل و شعور کی سطح بلند ہو رہی ہے روئے زمین پر انسانی زندگی کیلئے سہولتوں کا انقلاب آنا شروع ہو گیا ہے جس سے نوع انسان کے تمام طبقات مستفیض ہو رہے ہیں جن میں نظریاتی فرقے بھی شامل ہیں۔ انسانی ذہن کی ارتقائی سمتوں میں سے جو سمت بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے وہ سائینسی تجربات و مشاہدات کی سمت ہے جو کہ نہ صرف حوصلہ افزا بات ہے بلکہ نوع انسان کیلئے قابل فخر بھی ہے۔

Marfat.com

فلسفہ بطور مادی علم

لفظ "فلسفہ" سنتے ہی عام آدمی کے ذہن میں ایک خاص تاثر ابھرتا ہے جس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ اب کوئی فضول بات ہونے والی ہے۔ کچھ لوگ تو ہنس پڑتے ہیں اور پھر پوچھتے ہیں "ہاں بھئی تو پھر کیا فلسفہ ہے" جس سے ان کا مطلب ہوتا ہے کہ کیا مصیبت ہے؟ لفظ فلسفہ اور فلسفی تمام آدمی ان دونوں الفاظ سے خوف زدہ ہوتے ہیں ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہوتی ہے کہ فلسفہ ان باتوں پر مشتمل ہوتا ہے جو کسی کی سمجھ میں نہ آئیں اسی طرح فلسفہ دان وہ آدمی ہوتا ہے جو اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے جو کسی کی بھی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔ مزید بر آں اب اچھے خاصے لکھے پڑھے خواتین و حضرات بھی شعوری طور پر فلسفیانہ انداز گفتگو سے اس لئے گریز کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک وہ فلسفے سے آشنا نہیں ہوتے حالانکہ تمام کے تمام ناخواندہ لوگ روزمرہ کے معمولات پر بات چیت کرتے ہوئے فلسفے کی بنیاد پر ہی گفتگو کر رہے ہوتے ہیں جب کہ لکھے پڑھے لوگ مختلف موضوعات پر جب بحث کر رہے ہوتے ہیں تو ان کی گفتگو فلسفیانہ انداز میں ہی ہو رہی ہوتی ہے۔ میں اس کتاب کے ذریعے فلسفیانہ انداز فکر کو عام آدمی کی ذہنی سطح پر لا کر متعارف کروانے کی کوشش کر رہا ہوں تاکہ ہر لکھا پڑھا آدمی اس حقیقت سے آشنا ہو جائے کہ انسانی زندگی میں جس علم کا سب سے زیادہ عمل دخل ہے وہ علم فلسفہ ہے۔ آپ گھر پر ہیں' دفتر میں ہیں' بازار میں ہیں' کارخانے میں ہیں' کھیتوں میں ہیں یا سفر میں ہیں۔ جن جن حالتوں میں آپ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور آپ اس مسئلے پر غور و فکر کر رہے ہیں آپ کی اس سوچ بچار کو فلسفیانہ انداز فکر کہا جاتا ہے انسان کا کسی مسئلے پر غور کرنا فلسفہ ہے اور اس کو عملی جامہ پہنانا سائنس ہے۔ انسان تخیلاتی طور پر جو کچھ بھی تخلیق کرتا ہے اس کا سارا کام فلسفے کی مد میں آتا ہے۔ فلسفے کے تین باب ہیں جو انسانی زندگی کا مکمل طور پر احاطہ کرتے ہیں پہلا باب انسان کا ذہن ہے جس میں کوئی چیز غور و فکر

کے بعد تخلیق کی جاتی ہے دوسرا باب تحریر ہے جس میں اس تخلیق کو محفوظ کر لیا جاتا ہے اور تیسرا باب سائنس ہے جس کے ذریعے اس تخلیق کو عملی طور پر وجود میں لایا جاتا ہے۔ میں نے اوپر عنوان کے طور پر فلسفے کو جو مادی علم کہا ہے آیئے اس کی تفصیل کا رخ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں فلسفہ مادی علم کیسے ہے۔

انسانی سوسائٹی میں جس علم نے انسان کے ساتھ ساتھ جنم لیا وہ علم فلسفہ ہے انسانی تخلیق کے سائنسی نظریے سے جو شواہد ملتے ہیں ان کے مطابق جب انسانی ذہن کی قوت متخیلہ باقی حیوانوں کی سوچ سے بلند ہونا شروع ہو گئی اور اس نے جسمانی طور پر اپنے سے زیادہ طاقتور حیوانوں سے محفوظ رہنے کی تراکیب پر غور کرنا شروع کیا تو اس کی اس ذہنی صلاحیت کو بعد میں فلسفے کا نام دیا گیا جو انسان کے حیوانی سطح سے انسانی سطح کی طرف منتقلی کے دوران انسان کے ساتھ ہی پیدا ہو گیا جس کا ادراک انسان کو اس وقت ہوا جب اس نے اپنے علوم کی اقسام کا تعین کرنا شروع کیا یہ وہ دورانیہ ہے جس میں انسان پتھر کے زمانے سے نکل کر تمدنی عہد میں داخل ہوا اس وقت تک انسان کے پاس علم و آگہی کی مد میں علم فلسفہ کے علاوہ کوئی اور علم نہیں تھا مطلب یہ ہے کہ انسانی علوم میں کوئی بیرونی مداخلت نہیں ہوئی تھی اور جس طرح انسان مادے سے عالم وجود میں آیا اسی طرح انسان کے سب سے پہلے علم کے طور پر جو پیدا ہوا وہ علم فلسفہ ہے جس نظریے کی گرو تھ انسان کی طرح اس کے اپنے وجود ہی میں ہوئی ہو اسے مادی علم کہا جا سکتا ہے میں فلسفے کو مادی علم اس بنا پر کہتا ہوں کہ فلسفہ انسانی ذہن کی ارتقائی حالت کا نام ہے انسان سوچتا ہے غور و فکر کرتا ہے اپنے بارے میں اپنے گرد و نواح کے بارے میں اس پوری دنیا کے بارے میں جب انسان نے سوچنا شروع کیا تو یہ جو کچھ بھی سوچتا تھا وہ سب فلسفہ ہے جیسے جیسے انسانی ذہن اپنی ارتقائی منازل طے کرتا رہا اس کا علم فلسفہ بھی اس کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہا۔ جس عہد کو ہم دیو مالائی عہد کہتے ہیں وہ انسان کا نہائت ہی تکلیف دہ اور سنگین قسم کا دور تھا جس کے دوران وہ اپنی کم عقلی کا بہت زیادہ شکار رہا اور جیسے جیسے اس کی عقل بڑھتی رہی وہ اس کی تمام مشکلات میں بہترین مونس ثابت ہوتی رہی انسان کی اس

Marfat.com

وقت کی سوچ اس کا علم تھا اور اپنی سوچ الفاظ میں تبدیل کرنا اس کا عمل تھا پھر جب اس نے کیمیائی عمل شروع کیا تو اس کا غور و فکر کرنا فلسفہ تھا اور کیمیائی فعل اس کے فلسفے کی عملی شکل تھی آج انسانی ذہن کا بہت ساری سمتوں میں غور و فکر کرنا فلسفہ ہے اور سائنسی تجربات اس کی عملی صورت ہیں۔

فلسفے کے وجود پر اگر باہر سے دوسرے علوم حملہ آور نہ ہوتے تو یقیناً آج اس علم کی شان و شوکت اس کی موجودہ حالت کے مقابلے میں بہت مختلف اور عظیم ہوتی انسانی سوسائٹی میں بے شمار تہذیبیں ابھریں' پلی بڑھیں جوان ہوئیں اور مٹ گئیں ان کے مٹنے کی بڑی وجہ بیرونی مداخلت تھی جس نے ان کا تانا بانا ادھیڑ کر رکھ دیا یا پھر وہ اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے بکھر گئیں۔ انسانی سوسائٹی میں بعض ایسی تہذیبیں تھیں جو اگر زندہ رہتیں تو اپنے اپنے فن میں بہت زیادہ آگے بڑھ چکی ہوتیں لیکن یہ انسان جو مجموعہ اضداد تسلیم کیا گیا ہے اس کا کوئی گروہ جب بھی عکسری اعتبار سے اپنے اندر بہت ساری قوت جمع کر لیتا ہے تو باقی گروہوں پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور اس کی ہزاروں سال کی کامیابیوں کو تھوڑے سے وقت میں مٹا کے رکھ دیتا ہے۔

انسانی سوسائٹی میں بہت سارے مکاتب فکر پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے علوم کے آفاقی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ ایک ایسی ہستی ہے جس نے انسان کو اور تمام کائنات کو پیدا کیا ہے وہ ہر شے کا خالق و مالک ہے اس کے یہ یہ احکامات ہیں جو انسانوں کی بھلائی کیلئے ہیں۔ یہ آفاقی مکاتب فکر کی تحریکیں زیادہ تر برصغیر اور مشرق وسطیٰ کے علاقوں میں پروان چڑھیں اور باقی علاقوں کی طرف پھیلتی رہیں جبکہ فلسفیانہ فکر نے یونان کے علاقوں میں جنم لیا اور آج دنیا کے تمام ممالک میں متعارف ہے۔ فلسفہ بذات خود ایک مکمل مکتبہ فکر ہے جو پورے نظام حیات کیلئے تمام شعبوں میں انسان کو رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ حالانکہ اس فطری اور مادی علم کے ساتھ بہت ساری زبردستیاں ہوتی رہی ہیں کسی بھی آفاقی مکتبہ فکر نے فلسفیانہ فکر کو کبھی معاف نہیں کیا تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی آفاقی سکول آف تھاٹ کو انسانی سوسائٹی پر تسلط

حاصل ہوا اس نے ہر طریقے سے انسان کی فطری فلسفیانہ سوچ کو کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ تمام آفاقی علوم کی اکثریت نے فلسفیانہ فکر کو اپنے اندر ضم کر کے اس کو ختم کرنے کی بھی بے حد کوشش کی ایسے اہل علم حضرات کی ہزاروں صفحات پر مشتمل فہرست پیش کی جاسکتی ہے جو اپنے اپنے مذہب پر مضبوط عقیدہ رکھنے کے باوجود فلسفیانہ فکر کو آفاقی علوم میں شامل کرنے کیلئے تمام زندگی کام کرتے رہے۔ لیکن اب انسان کے علم میں یہ بات آ چکی ہے کہ وہ مادے کے ایک فطری عمل کے ذریعے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس کا وجود ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے اس کا مادی ذہن ارتقائی عمل میں سے گزر رہا ہے اس کے تجربات اور مشاہدات اس کے مادی ذہن کے رہین منت ہیں اور اس کی اپنی تمام طرح کی سوچیں اس کے مادی ذہن میں سے پیدا ہوتی ہیں۔ انسان کے تجربات' اس کے مشاہدات' اس کے تخیلات اور اس کی تمام سوچیں اس کے ذہن کا حصہ ہیں ان سب کا نام فلسفہ ہے اس لئے فلسفہ آفاقی علم نہیں ہے بلکہ مادی علم ہے۔

Marfat.com

فطری عمل اور انسانی ذہن

آج انسان کو یونیورس کے بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہیں گزشتہ وقتوں میں حاصل نہیں تھیں اگر ہم ماضی کی طرف بڑھنا شروع کریں تو جیسے جیسے پیچھے کی طرف چلتے جائیں انسان کا علم گھٹتا چلا جاتا ہے زندگی کے بارے میں انسان کا ایک نظریہ ہے جس کے تحت ارتقائے حیات کبھی تیزی سے اور کبھی بہت ہی تھوڑی رفتار سے رونما ہوتا رہا ہے۔ انسان چونکہ فطری عمل کا حصہ ہے اس لئے انسانی علوم میں بھی کبھی تیزی سے اور کبھی سست رفتاری سے اضافہ ہوتا رہا ہے انسانی علوم اور معلومات میں سست رفتاری ان ادوار میں آتی رہی جن میں انسانی سوسائٹی نظریاتی تسلط کا شکار رہی اور تیز رفتاری اس وقت عمل میں آتی رہی جب اہل دانش حضرات کو آزادی سے کام کرنے کے مواقع میسر آتے رہے جب کہ بہت ہی کم اوقات میں ایسا ہوا تھا لیکن ارتقائے حیات میں تیزی ان ایام میں آئی جن کے دوران روئے زمین پر موسمیات اعتدال میں رہے ہونگے اور سست رفتاری ان اوقات میں ہی ہوگی جن میں سردی گرمی اور طوفانوں میں شدت آ جاتی ہوگی انسانی سوسائٹی میں جب بھی کسی نظریئے کا غلبہ ہوتا ہے تو ارتقائے حیات کے حوالے سے فطری عمل بھی رک جاتا ہے اور انسانی ذہن کی گروتھ بھی جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔ اقتصادیات کا نظام بہت بری طرح متاثر ہوتا ہے قوت مدرکہ ان جانے خوف میں بدل جاتی ہے اور عقل انسانی توہمات کی زد میں آ جاتی ہے اور تخلیقی عمل رک جاتا ہے اس وقت برصغیر اور مشرق وسطی کے اکثر ممالک مذکورہ حالات میں سے گزر رہے ہیں روئے زمین پر بہت سارے ممالک ایسے ہیں جہاں نظریاتی تسلط نہ ہونے کے برابر ہے ان ممالک میں تخلیقی عمل کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے جو کہ انسان کا فطری حق ہے۔ انسان زمانہ قدیم سے مستقل طور پر دو طرح کے خوف میں مبتلا چلا آ رہا ہے ایک نظریاتی تسلط کا خوف اور دوسرا علاقائی سرحدوں کا خوف یہ دونوں خوف ایسے ہیں جن سے اگر انسان بچتا

Marfat.com

بھی چاہے تو ایک طویل عرصے تک کوشش کے باوجود بچ نہیں سکتا کیونکہ یہ دونوں خوف انسانی زندگی کا حصہ بن چکے ہیں ماضی کے فلاسفہ اور دانشوروں نے اس صورت حال سے بچنے کے لئے بہت کم کوشش کی بلکہ بعض نے تو دونوں حالتوں کے خوف میں اضافہ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسے لازمی امر قرار دے کر چشم پوشی سے کام لیا۔

آپ اوپر کہیں پڑھ آئے ہیں کہ یہ کائنات دو چیزوں پر مشتمل ہے ایک خلا ہے اور دوسرے مادہ ہے جو خلا کے اندر مختلف صورتوں میں موجود ہے اور مادہ مرکب ہے۔ مادہ ایک جبر کا شکار ہے جس کا نام فطری عمل ہے جو ہر چیز پر ہر آن ہو رہا ہے اور کوئی چیز بھی جمود کی حالت میں نہیں ہے یہ فطری عمل اجزائے کائنات میں تضادات کی وجہ سے جاری و ساری رہتا ہے کچھ فطری تضادات ایسے ہیں جن کو انسان اپنے احساسات کے ذریعے سمجھ سکتا ہے' دیکھ سکتا ہے اور محسوس کر سکتا ہے جیسے خوشی اور غمی' اندھیرا اور اجالا' سردی اور گرمی وغیرہ اور اس کے علاوہ انسان کے تمام جذبے جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں سائنسی علوم نے ان تضادات کا احاطہ کر لیا ہے اور ان خطوط پر تحقیق جاری ہے کہ اگر اجزائے کائنات میں تضادات نہ ہوتے تو زندگی کی نمو ممکن ہی نہ ہوتی۔ جس کو ہم ارتقائے حیات کہتے ہیں وہ بھی فطری عمل کا حصہ ہے۔ اسی فطری عمل کے تحت انسانی ذہن کئی جہتوں میں تبدیل ہو رہا ہے یہ تمام جہتیں انسانی حوالے سے معلوماتی ہیں جن سے انسان کے علم میں اضافہ ہو رہا ہے بہت ساری جہتوں میں معلومات انسان کے حق میں ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور بعض جہتوں میں اس کے ذہن کا ارتقا اس کے اپنے نقطہ نظر کے مطابق اس کے لئے نقصان کا باعث ہے جب کہ کائناتی حوالے سے غلط اور صحیح' خیر اور شر یا برا اور بھلا کا تصور ہے ہی نہیں کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب کچھ فطری عمل کا نتیجہ ہے لیکن چونکہ انسانی ذہن جس نہج پر چلتے چلتے ارتقا پذیر ہو رہا ہے اسے اپنی بقا کیلئے بہت کچھ فطری عمل کے خلاف کرنا پڑتا ہے جب کہ یہ بھی ایک بہت بڑا تضاد ہے لیکن اس تضاد پر عمل پیرا رہنا انسان کی مجبوری ہے جس سے فطری عمل میں مداخلت ضرور

ہے لیکن اس سے کائنات کو کوئی نقصان پہنچنے کا کوئی احتمال نہیں ہے اس فطری عمل اور تضادات کا ذکر موجودہ صدی کے کئی دانشوروں نے کیا ہے ان کا خیال ہے کہ ہر شے کے اندر ہی سے تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے خارجی عوامل ہر شے کو متاثر ضرور کرتے ہیں۔ روئے زمین پر تمام زندگی چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ ہر شے اندرونی اور بیرونی اثرات کی وجہ سے ہی اپنی ہیئت تبدیل کرتی ہے جیسے جماداتِ' نباتات اور حیوانات یہ سب کچھ تو انسان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اس کے علاوہ اس کا اپنا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی ہیئت کی تبدیلی کا عمل اس کے اندر ہی سے شروع ہوتا ہے انسان مرنا نہیں چاہتا لیکن اس کے وجود کے اندر تضادات کا عمل شروع رہتا ہے جو اس کی ہیت تبدیل کر دیتا ہے جس کو موت کا نام دیا گیا ہے اور یہ مادی جدلیات کا حاصل ہے۔

انسانی ذہن کی گروتھ بھی فطری عمل کا حصہ ہے جس کو ہم کائناتی حوالے سے دیکھیں تو مکمل طور پر فطری عمل ہی ہے لیکن انسانی حوالے سے دیکھیں تو ذہن کی کارکردگی فطری عمل کے مطابق ہونے کے باوجود اس کے خلاف عمل پیرا بھی ہے کیونکہ انسان کا عقل و شعور سے کام لینا تو ایک فطری تسلسل ہے لیکن چونکہ انسان اپنی بقا چاہتا ہے۔ اس لئے اس کا ذہن فطری عمل کے خلاف بھی کام کرتا ہے جس کو ہم ذہن کا لاشعوری عمل کہیں گے جو کہ موت کا خوف کہلاتا ہے۔ انسان کو موت سے بچاؤ کی تدابیر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا ممکن نہیں ہے البتہ اس کے آنے میں تاخیر کی تدابیر ممکن ہیں انسان چاہیے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

ABRE - REHMAT LIBRARY
No............
Date............
GUJRAT, KARACHI

Marfat.com

ماضی کے انسان سے آج کا انسان زیادہ عقل مند ہے

انسانی حواس سے جو کچھ بھی ماورا ہے انسان کو اب اس کی فکر نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا چاہئے کیونکہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ماورائی معلومات خود بخود انسانی تجربات اور مشاہدات کی شکل میں اس انداز سے سامنے آرہی ہیں کہ انسان کے اندر کا ازلی خوف روبہ زوال ہو رہا ہے ماضی کے انسان نے خدا کے بارے میں جو تصور قائم کیا تھا وہ تصور اپنے معنوی تناظر میں مزید واضح ہونے کی بجائے دور ہٹتا جا رہا ہے اس لئے اس تصور کی تلاش پہلے سے بیان کردہ خطوط پر چلتے ہوئے ایک سعیٔ لا حاصل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ماورائی تصورات جو کہ ماضی کے انسان نے اپنے داخلی اور خارجی خوف کی شدت کو کم کرنے کی غرض سے قائم کئے تھے جو اس کی ضرورت بھی تھی اور مجبوری بھی جس پر غیر جانب دارانہ انداز میں غور و فکر کیا جائے تو اس وقت کی صورت حال اپنے سیاق و سباق کے ساتھ سمجھ میں آتی ہے جس کے تناظر میں بہت ساری ان جانی باتیں بھی جانی جاسکتی ہیں لیکن موجودہ عہد کے انسان کا سب سے سنگین مسئلہ یہ ہے کہ اس کے اعتقاد میں یہ بات اس قدر مضبوطی سے بیٹھ گئی ہے کہ ماورائی علوم کے اعتبار سے ماضی کا انسان زیادہ جانتا تھا جب کہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جب سے اس روئے زمین پر انسان نے آنکھ کھولی ہے اسی وقت سے وہ اپنے اپنے عہد میں نئے نئے تجربات اور مشاہدات کرتا چلا آرہا ہے اور اب تک انسان نے جو کچھ بھی کیا اس کا جتنا کچھ بھی محفوظ ہے وہ سب آج کے انسان کے پاس تجربے کی صورت میں موجود ہے اور اس سب کچھ کے علاوہ اس کا اپنا علم' تجربہ اور مشاہدہ بھی اس کے پاس ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کا انسان نئے پیدا کردہ مسائل کا شکار ہونے کے باوجود ماضی کے ہزاروں توہمات سے' نہایت تکلیف دہ فرسودہ رسومات سے نجات حاصل کر چکا ہے۔ جیسے جیسے ماضی میں پیچھے کی طرف ہٹتے چلے جائیں ایسے حالات نظر آتے ہیں کہ

انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ظلم اور زیادتی کا شکار نظر آتا ہے لیکن موجودہ وقتوں میں ایسی صورت حال نہیں ہے آج کے انسان نے نہ صرف بیشمار توہمات سے نجات حاصل کی ہے بلکہ ہزاروں بیماریوں اور ہزاروں قدرتی آفات سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس بات کا ثبوت ہے کہ آج کا انسان نہ صرف زندگی کے علوم میں ماضی کے انسان سے بہتر ہے بلکہ ماورائی علوم میں بھی ماضی کے انسان سے بہتر پوزیشن میں ہے۔ موجودہ عہد کا فلاسفر اور اہل دانش اچھی طرح جانتا ہے کہ ماضی بعید کے انسان کا مہیا کردہ علم کتابوں کی زینت ضرور رہے گا لیکن موجودہ عہد کے انسان کی کسی اعتبار سے رہنمائی نہیں کرتا۔ جس طرح اگر کہا جائے کہ پچاس سال بعد کا انسان علم و آگہی کے اعتبار سے آج کے انسان سے بہتر ہو گا لہٰذا عام حالات میں کہا جائے گا کہ یہ بات درست ہے لیکن عملی طور پر پچاس سال بعد بھی یہی کہا جائے گا کہ ماضی کا انسان خیر و شر کے اعتبار سے بھی اور علم و آگہی کے اعتبار سے بھی بہتر تھا جب کہ پچاس سال بعد اس بات میں کوئی سچائی نہیں ہوگی۔ یہ ہے وہ غلط روش جو پیچھے سے چلتی آرہی ہے کون جانے انسان کس سٹیج پر پہنچ کر اس عذاب سے نجات حاصل کرے گا یا کبھی بھی نہیں کر سکے گا ہم سب اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا ہیں کہ قبروں میں دفن مردے جن کی ہڈیاں بھی فطری پراسیس کا حصہ بن کر مٹی کے اجزا میں شامل ہو چکی ہیں لیکن وہ آج بھی زندہ لوگوں پر حکومت کر رہے ہیں جو کہ انسانی جہالت کی انتہا ہے یہ تصور ایک دن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ لاکھوں سال پر پھیلی ہوئی انسان کی غلط سوچ کا کیا دھرا ہے اور اس روش سے انسانی سوسائٹی کا کوئی بھی مکتبہ فکر محفوظ نہیں رہا جس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی نیا مکتبہ فکر وجود میں آتا ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ ابتدا میں اس کے قواعد و ضوابط سوسائٹی کے مفاد میں ہوتے ہیں لیکن جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا ہے تو انسان اپنی غلط سوچ اور غلط روی کے پیش نظر ان قواعد و ضوابط کو اپنے عمل کا حصہ بنانے کی بجائے ان کو مقدس فرمودات سمجھ کر ان کو محفوظ رکھنا اور ان کا مطالعہ کرنا اپنی ان جانی زندگی کیلئے باعث نجات سمجھنے لگتا ہے اور ان میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی برداشت نہیں کرتا۔ دنیا کے تمام

Marfat.com

مکاتب فکر کا یہی حال ہے جب کہ ضابطہ ہائے حیات کا تقاضہ ہے کہ وقت کے ساتھ نظام حیات میں ضرورت کے تحت اس طرح ردوبدل کیا جائے کہ کوئی شق یا قانون زندگی کی میانہ روی میں مخل نہ ہو اور عوام الناس امن و سکون سے زندگی گزار سکیں کیونکہ اگر انسان اپنی بقا چاہتا ہے تو اسے کسی نہ کسی عہد میں ایسا ہر صورت کرنا پڑیگا۔ یہ جو بعض اوقات سننے میں آتا ہے کہ اصولوں پر سودے بازی نہیں ہو سکتی وہ سودے بازی اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اس سے گروہی نقصان کا خدشہ ہوتا ہے چاہے وہ سودے بازی زندگی کیلئے مفید ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ گروہی مفاداتؒ زندگی کیلئے مضر بھی ہو سکتے ہیں اس سب کچھ کے باوجود آج کا انسان ماضی کے انسان سے عقل و شعور کے اعتبار سے بہتر ہے۔

میرے اس نقطہ نظر کو عام قاری پہلی نظر میں غلط کہنے پر جس وجہ سے مجبور ہے میں عوام الناس کی اس ذہنی الجھن سے آشنا ہوں۔ اس اعتبار سے ممکن ہے میرے اس نظریئے کو ہر قاری کی طرف سے پذیرائی نہ ملے لیکن جو لوگ کائنات کے بارے میں فلسفیانہ انداز فکر کے تحت غور و تامل کرتے ہیں وہ میرے اس نظریئے کی نہ صرف تہ تک پہلے ہی سے پہنچے ہوئے ہیں بلکہ ان میں سے بعض بہت آگے تک دیکھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں لیکن چونکہ یہ وصف بھی انسانی ذہن میں مسلسل ارتقا پذیر ہے کہ ہم عصر حضرات اپنے اپنے خیالات کی ترویج و ترقی کے خواہاں ہوتے ہیں اس لئے خاموشی اختیار کئے رہتے ہیں۔

زمان و مکان اور لامکان

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ زمان' عصر یا وقت کو کسی فلاسفر نے منطقی اعتبار سے ثابت نہیں کیا اور نہ ہی کوئی کر سکتا ہے کیونکہ وقت کو ثابت کرنے کیلئے اسے متحرک ثابت کرنا ہو گا جب کہ وہ منطقی اعتبار سے متحرک نہیں ہے۔ جہاں تک مکان کا تعلق ہے اس کو ایک مثال سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ایک نقطے کو یہاں تک چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا جائے جہاں تک ممکن ہو اور پھر فرض کریں کہ سب سے چھوٹے حصے کو کئی ہزار حصوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے اب جو ایک حصہ ہے وہ اپنی جگہ مکان کی حیثیت رکھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مادے کا وہ بہت چھوٹا حصہ یا کوئی اور مادے کا بڑا حصہ دونوں اپنی اپنی ذات میں مکان کی حیثیت رکھتے ہیں اور لا متناہی خلا کے اندر وہ جہاں جہاں بھی ہوں گے وہ جگہیں (ان کے) مکان کہلائیں گی اس لئے تمام سیارگان اپنی جگہ مکان ہیں اور جہاں تک لامکان کا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوئی چیز (شے) جہاں موجود ہے وہ اس کا مکان ہے اور جہاں وہ موجود نہیں ہے وہ جگہ اس کیلئے لا مکان ہے۔ انسانی زندگی زمین پر موجود ہے اس لئے یہ کرہ ارض انسان کے لئے مکان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کائنات میں کروڑوں کی تعداد میں سیارگان ہیں جن پر انسانی زندگی نہیں ہے ان سب کی حیثیت انسان کیلئے لامکان کی ہے آج سے ۲۵ سال پہلے انسان نے چاند کی سطح پر قدم رکھا تھا اس لئے یہ سیارہ اب اس کے لئے لا مکان کی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح خلا کے اندر جہاں تک انسان پرواز کر سکتا ہے اس سے آگے اس کے لئے باقی سب خلا بھی لامکان کی حیثیت رکھتی ہے یہ مختصر بات عام قاری کیلئے زمان و مکان اور لا مکان کے بارے میں ایک تصور کے طور پر کی جا رہی ہے تاکہ وہ مطالعہ کے دوران کسی الجھن کا شکار نہ ہو جہاں تک ان تصورات کا تعلق ہے جو عقل و شعور کے حوالے سے مافوق الفطرت ہیں ان کے بارے میں ظاہر ہے' انسانی ذہن تجسس کا شکار تو ہوتا ہی ہے

Marfat.com

لیکن کسی بھی تصور کو اپنے ذہن پر بوجھ نہیں بننے دینا چاہئے۔ بے شمار ایسی معلومات حاصل ہو رہی ہیں جو ہمارے ذہنوں میں کئی طرح کے سوالات کا جواب بن کر ہمارے سامنے آتی ہیں اور یہ سلسلہ بڑے بڑے سوالات حل کر رہا ہے۔ کائنات کے بارے میں آج کا انسان جو کچھ جانتا ہے ماضی کا انسان نہیں جانتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض باتوں کے بارے میں اس نے تصور کیا کہ فلاں بات ایسے ہو گی لیکن وہ بات اس وقت بھی معمہ تھی آج بھی معمہ ہے لیکن ہمیں ایسی باتوں کے بارے میں اپنے ذہن کو پراگندہ نہیں ہونے دینا چاہئے۔

تقدیر کا لکھا انسانی ذہن میں تقدیر کے لکھے کا جو تصور بٹھا دیا گیا ہے وہ شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر بہت گہرے نقوش کے ساتھ موجود ہے یہ تصور اگر حقائق پر مبنی ہے اور تقدیر کا لکھا انسان کے نزدیک حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں شکایت کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا جب کہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے اس مضبوط عقیدے کے باوجود اپنے مسائل کے بارے میں ہر وقت سراپا احتجاج بنے رہتے ہیں لڑائی جھگڑے پر اتر آتے ہیں اور اکثر خون خرابے تک نوبت آ جاتی ہے لیکن عقیدہ اب بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ ملتا وہی کچھ ہے جو تقدیر میں لکھا ہے۔ یہ ہے وہ بات یا مسئلہ جو غور طلب ہے کہ ایک آدمی کو اس شبہ کی بنا پر قتل کر دیا جاتا ہے کہ وہ تقدیر کے فیصلے کے درمیان حائل ہو رہا تھا جبکہ عقیدہ یہ ہے کہ تقدیر کا لکھا کوئی نہ تو آج تک ٹال سکا ہے اور نہ ہی آئندہ کوئی ٹال سکے گا یہ بات بھی اپنی جگہ ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان تقدیر کے لکھے کے قائل نہیں ہیں لیکن جن لوگوں کا تقدیر کے لکھے پر یقین ہے ان کی تعداد بھی کم نہیں ہے اس لئے یہ مسئلہ زیر بحث لانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ میں اپنے دلائل کے بارے میں بعض باتوں کے ثبوت کے طور پر دہراتا رہتا ہوں کیونکہ ان باتوں کی وہاں ضرورت ہوتی ہے مثال کے طور پر یہ بات میں نے کہیں اور جگہ بھی لکھی ہو گی کہ انسانی سوسائٹی میں بہت ساری ایسی باتیں عقیدے کے طور پر اس لئے رواج پا گئیں کہ ان کی کسی بھی انسان کیلئے تصدیق کرنا ممکن نہیں تھا بے شمار باتیں ہیں جو عقیدے کے طور پر مانی تو جاتی ہیں لیکن ان کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ بلکہ روئے زمین پر جتنے بھی آفاقی علوم ہیں ان کے

Marfat.com

احکامات کی کوئی انسان تصدیق نہیں کر سکتا کیونکہ وہ سب خدا کی ذات سے منسوب ہیں اس لئے ان کی تصدیق بندے کے بس کی بات نہیں انسانی شعور اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ خدا کی ہستی کسی وجود کی رہین منت نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر ایسا ہو تو خدا کی ذات محض حالت میں متصور ہو گی جو کہ کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے اس لئے جو باتیں اس سے منسوب ہیں ان کی بھی تصدیق ممکن نہیں ہے۔ تقدیر میں کیا لکھا ہے اور کہاں لکھا ہے اس بات کی تصدیق کون کرے لیکن اس بات پر جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہی ہوتا ہے اور وہی ملتا ہے جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے ان کے پاس کوئی منطقی ثبوت نہیں ہے بس ایک بات کو مان لیا گیا ہے کہ یوں ہوتا ہے جیسے بعض باتیں طاقت سے بھی منوا لی جاتی ہیں اور بعد میں ان کا رواج چل نکلتا ہے۔

مسئلہ آواگون:۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روئے زمین پر ہندو مائی تھالوجی پہلے متعارف ہوئی اور گریک مائی تھالوجی بعد میں اس بات میں اختلاف تو ہے ہی کیونکہ یہ باتیں قبل از تاریخ کے واقعات ہیں اس وقت انسان اپنے خیالات تحریر کی صورت میں محفوظ کر لینے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ ان دونوں نظریات کا تجزیہ کئی حوالوں سے کیا جا سکتا ہے لیکن میں صرف ایک ہی حوالے سے ان کا موازنہ کرنا بہتر خیال کرتا ہوں اور وہ حوالہ یہ ہے کہ ان دونوں نظریات کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوئے اور آج ان نظریات کی کیا حیثیت ہے۔ جہاں تک گریک مائی تھالوجی کا تعلق ہے اس کے اثرات آج پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں اور آج کی تمام ترقی جو سائنس کی رہین منت ہے اس کی اصل گریک مائی تھالوجی ہے جس نے وقت کے ساتھ ساتھ سائنسدان اور سائنسی ترقی کو جنم دیا اور دنیا جن علوم سے آج آشنا ہے جیسے علم فلسفہ، علم فلکیات، علم طب، علم ریاضی اور بہت سارے علوم کی ترویج و ترقی میں گریک مائی تھالوجی کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ گزشتہ چار پانچ سو سال سے روئے زمین پر جو انسانی زندگی میں سہولیات کا انقلاب آیا ہے اس کی بنیاد گریک مائی تھالوجی ہے۔ لیکن اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ ہندو مائی تھالوجی پہلے وجود میں آئی تھی تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ابھی تک برصغیر کی سرحدوں کے اندر ہی دم توڑ رہی ہے اسے گھر سے باہر نکلنے کی توفیق اس لئے نہیں ہوئی کہ اس کی شکل و صورت نے کسی بھی

دیکھنے والے کو متاثر نہیں کیا کیونکہ اس کے مطابق جب کوئی انسان مرجاتا ہے تو اس کی روح نہ صرف کسی اور انسانی وجود میں داخل ہو جاتی ہے بلکہ وہ اپنے کرموں کے عوض کیڑوں مکوڑوں، جانوروں اور درختوں میں بھی چلی جاتی ہے اور نہ جانے کتنے جنموں تک اسی طرح ماری ماری بھٹکتی رہتی ہے۔ سمجھدار انسانوں کو ایسے نظریئے کو اپنانے یا قریب سے دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی لیکن یہ مائی تھالوجی ہندوستانی معاشرے کے تمام شعبوں میں آج بھی رچی بسی نظر آتی ہے۔ ادب اور فنون لطیفہ میں، فلم اور ذرائع ابلاغ میں ہر جگہ اس نظریئے کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ قبل مسیح کے کچھ فلاسفہ اور دانشوروں کے ہاں آواگون کے بارے میں اثرات ملتے ہیں لیکن یہ بات آگے بڑھتی نظر نہیں آتی اس کی بنیادی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ مسئلہ آواگون ہندو مذہب میں عقیدے کے طور پر اپنا لیا گیا تھا اس لئے یہ عقاید تک ہی محدود رہا۔

گریک مائی تھالوجی نے آج تک کسی بھی دور میں عقیدے کا روپ نہیں دھارا بلکہ مسائل حیات کے طور پر ہی آج تک چلی آ رہی ہے جو موجودہ وقت میں فلسفے، نفسیات اور سائنس کی صورت میں موجود ہے اور اس کا سب سے بڑا کارنامہ جمہوری نظریات کی ترویج ہے جس کو انسان نے مسائل حیات کے حل کیلئے بہترین مسودے کے طور پر اپنا لیا ہے۔ لیکن ہندو مائی تھالوجی میں کوئی ایسی خوبی سامنے نہیں آ رہی ہے جس کو بین الاقوامی سطح پر جاذب نظر سمجھا جاتا یہی وجہ ہے کہ اس مکتبہ فکر کو برصغیر سے باہر نکلنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی۔

* * *

وقت اور موت

وقت ایک ایسی مفروضہ اکائی ہے جس کے بارے میں کم و بیش متفقہ رائے یہ ہے کہ "وقت" "جمود" کی ضد ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے کوئی چیز یا عمارت دیکھی اور پچاس برس گزر گئے تو پھر آپ کو وہی چیز یا عمارت دیکھنے کا اتفاق ہوا اور آپ نے محسوس کیا کہ وہ چیزیں بالکل اسی حالت میں ہیں جس حالت میں آپ نے انہیں پچاس سال پہلے دیکھا تھا اس لئے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان چیزوں پر جمود طاری ہے کیونکہ وہ چیزیں کئی سالوں بعد بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں دوسری طرف آپ کو کسی ایسی جگہ سے گزرنے کا اتفاق ہوا جہاں کسان کھیتی باڑی کر رہے تھے جب آپ دو یا تین ماہ بعد وہاں سے گزرے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں بڑی بڑی فصلیں لہلہا رہی ہیں اور ان فصلوں کو یہ صورت اختیار کرنے میں ایک دورانیہ صرف ہوا ہے جس کو ہم وقت کہتے ہیں

وقت کو ماپنے کیلئے مختلف پیمانے وضع کئے گئے ہیں جو اس کی طوالت کو ماپنے کے معیار کہلاتے ہیں۔ ان پیمانوں کے ذریعے انسانی تمدن کے روابط کو کائناتی نظام سے منسلک رکھنے میں مدد لی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے وقت کے پیمانوں کی اضافی حیثیت کو تسلیم کرنا ایک انسانی ضرورت ہے دراصل جب انسانی شعور بیدار ہوا تو انسان نے سیاروں کی گردش کو دیکھا جس میں ایک تواتر تھا ایک تسلسل تھا جو ہم آج بھی دیکھ رہے ہیں اور آئندہ بھی یہ صورت حال دیکھی جاتی رہے گی۔ روئے زمین پر سورج کی روشنی کا آنا دن کہلایا اور چلے جانا رات گردانا گیا اور اس آنے جانے کو انسان نے "وقت" کا نام دیا' آج کا انسان وقت کے استعمال میں بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ یہ وقت کا قدر دان اپنی دانست میں بہت کچھ کا مالک ہے اور ابھی بہت کچھ مزید حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کو شکائت یہ ہے کہ اس کے پاس وقت نہیں ہے۔

جس طرح انسان اس کرۂ ارض پر رہتے ہیں اور اس زمین کی محوری گردش کو

Marfat.com

وقت کے پیمانے سے ماپتے ہیں۔ اسی طرح انسان اگر کسی اور سیارے پر موجود ہو تو وہاں پر رہتے ہوئے انسان اس سیارے کی محوری گردش ہی کو وقت کا نام دیگا جو اس زمین کے وقت سے کئی لحاظ سے بلکہ ہر لحاظ سے مختلف ہوگا اور جیسے جیسے انسان مختلف سیاروں پر موجود ہوگا وہاں کا وقت بھی مختلف ہوگا۔ کیونکہ ہر سیارے کی محوری گردش دوسرے سیاروں کی محوری گردشوں سے مختلف ہوتی ہے اس لئے مختلف سیاروں پر وقت کا تعین بھی مختلف ہوگا اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ ہماری زمین پر رہنے والا انسان اگر مختلف سیاروں پر رہائش پذیر ہو تو کسی سیارے پر وہاں کے وقت کے مطابق وہ چند لمحے زندہ رہیگا' کسی سیارے پر چند منٹ' کسی سیارے پر چند دن' کسی سیارے پر چند ماہ' کسی سیارے پر چند سال اور کسی سیارے پر ہزاروں سال کی زندگی پائیگا کیونکہ سیاروں کے محور چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ سے وہاں کے دن رات بھی چھوٹے بڑے ہیں۔

فلسفیانہ فکر کے مطابق کائناتی حوالے سے دیکھا جائے تو "وقت" نہ کوئی ماہیت ہے اور نہ ہی کوئی کیفیت ہے۔ "وقت" نہ کوئی متحرک چیز ہے' نہ کوئی جامد چیز ہے اور نہ ہی Abstract ہے۔ وقت کا لفظ سن کر جو تصور ہمارے ذہن میں بنتا ہے اور اس تصور کا جو وجود ہمارے شعور پر ابھرتا ہے وہ وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔ جیسا کہ میں اوپر ذکر کر آیا ہوں کہ انسان نے روشنی اور تاریکی کے تواتر کو وقت کا نام دیا تھا اور اسے متحرک خیال کیا اور پھر یہ ایک غلط العام اصطلاح چل نکلی کہ "وقت گزر رہا ہے جو وقت گزر جاتا ہے وہ کبھی واپس نہیں آتا" لیکن اصل صورت حال اس سے مختلف ہے۔ اصل صورت حال کیا ہے اس کے بارے میں ابھی بہت کچھ معلوم کرنا باقی ہے۔ اس سلسلے میں میرا نقطہ نظر کیا ہے وہ آپ کے سامنے رکھنے سے پہلے ایک ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ بات یہ ہے کہ انسانی زندگی کی ابتدا ہی سے انسانی ذہن نے کائنات کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا تھا اور جو بات بھی کسی انسان کی سمجھ میں آتی رہی وہ اس کا اظہار کرتا رہا۔ یہ سلسلہ اب تک چل رہا ہے اور جب تک انسان اس کائنات میں موجود ہے یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا۔ جو باتیں

Marfat.com

انسانی عقل و شعور کے مطابق درست خیال کی جاتی ہیں ان کی روشنی میں تحقیقات آگے بڑھتی رہتی ہیں۔ میرے خیال کے مطابق اب تک انسان جو کچھ معلوم کر سکا ہے وہ سب انسانی ذہن کی کرشمہ سازیاں ہیں کائنات کے بارے میں اب تک کی تمام معلومات مکمل طور پر بندے کا اپنا ہی اعجاز ہے اس میں کسی بھی غیبی طاقت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کائنات کے بارے میں جیسے جیسے جتنا جان پاتا ہے اس کے مطابق اس کا اعلان کرتا ہے آج تک کسی سائینسدان کی کائنات کے بارے میں کوئی بات حرف آخر کے طور پر تسلیم نہیں کی جاسکی۔ کیونکہ ابھی تک انسان کا علم' کائناتی علم و آگہی کے حوالے سے بہت محدود ہے لیکن موجودہ قرن کے دوران انسان کو اس میدان میں بہت زیادہ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ میں بھی فلاسفی کا طالب علم ہوں اور اسی نہج پر سوچ بچار کرتا ہوں اس سلسلے میں میرے وچار کیا ہیں وہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ میں نے گزشتہ فلاسفر حضرات کی نگارشات کا مطالعہ کیا اور ان کے خیالات و مشاہدات سے استفادہ کیا البتہ مجھے اب تک جو لکھا گیا سارے کا سارا فلسفہ یا بہت سارا فلسفہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا جس کی مدد سے میں وہ تمام حوالے یہاں درج کروں کہ وہ فلسفی جنہوں نے وقت کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے ان سب کی آراء کیا ہیں۔ غالباً" وقت کے بارے میں سب سے پہلے افلاطون اور ارسطو کے ہاں اظہار خیال ملتا ہے اور وہ کچھ اس طرح ہے کہ "وقت ایک غیر تحقیقی چیز ہے' خدا اور کائنات کا تعلق وقت کے حوالے سے نہیں ہے کیونکہ شعوری کیفیات کے تسلسل کو وقت کہتے ہیں اس لئے وقت ایک معروضی چیز ہے۔ وقت کے بنیادی عناصر تغیر اور شعور ہیں" گویا ارسطو نے کسی نہ کسی صورت میں کائناتی اور آفاقی حوالے سے وقت کو تسلیم کیا ہے جب کہ میرے مشاہدات کے مطابق صورت حال کچھ اس طرح ہے۔

خلا اور مادے کے وجود کو فلاسفہ کی اکثریت نے تسلیم کیا ہے گو کہ اختلاف ابھی تک موجود ہے لیکن خلا اور مادہ دونوں ایسے حقائق ہیں جن کو انسانی شعور نے کائناتی حوالے سے تسلیم کیا ہے۔ کائنات میں حرارت ایک قوت ہے اور عدم حرارت

Marfat.com

دوسری قوت ہے۔ حرارت اور عدم حرارت دونوں قوتیں فطری طور پر مادے پر اثر انداز ہیں یا مادہ ان دونوں قوتوں سے اثر پذیر ہے اور اس عمل کا رد عمل یہ ہوتا ہے کہ مادہ اپنی ہیئت تبدیل کرتا ہے یا یہ دونوں قوتیں مادے کو ہیئت تبدیل کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہیں۔ زندگی کے حوالے سے انسان نے اس فطری عمل کا نام بننا اور بگڑنا رکھا ہوا ہے اسی عمل کے تحت زندگی مختلف صورتوں میں پیدا ہوتی رہتی ہے جس کو انسانی اصطلاح میں وجود میں آنا کہا گیا ہے جیسے بچے کا پیدا ہونا' زمین میں سے پودے کا اگ آنا اور جمادات میں Crystals وغیرہ کا بنتے رہنا اور ان چیزوں کا اپنے اصل کی طرف لوٹ جانا انسانی حوالے سے موت واقع ہونا کہلاتا ہے۔ لیکن فلسفیانہ انداز فکر میں جہاں زندگی اور انسان کا مطالعہ انسانی حوالوں سے کیا جاتا ہے وہاں زندگی اور انسان کے بارے میں کائناتی اور آفاقی حوالوں سے بھی ان کا جائزہ لیا جاتا ہے اور یہ گفتگو ہم کائنات کے بارے میں کر رہے ہیں اس لئے کائناتی حوالے سے بات کر کے ہی ہم بات کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ ہاں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ قدرت کا کارخانہ کیسے چل رہا ہے۔ خلا موجود ہے اور جمود کی حالت میں ہے مادہ موجود ہے اور حرکت پذیر ہے ستارے اور سیارے ٹوٹتے اور بنتے رہتے ہیں زندگی مادے کی ارتقائی شکل ہے اور انسانی شعور کے مطابق انسان کی اپنی ذات زندگی کا بہترین نمونہ ہے۔ مادے کا زندگی کی کسی بھی قسم میں وجود میں آنا اور پھر عدم وجود میں چلے جانا ہی موت و حیات کا تصور پیش کرتا ہے حالانکہ کائناتی حوالے سے دیکھا جائے تو موت کوئی چیز نہیں ہے یہ صرف مادے کی ہیئت تبدیل ہونے کا عمل ہے اس میں موت کا تصور کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا۔

موت و حیات لازم و ملزوم تھیں نہ ہیں
ہر رنگ میں حیات مسلسل ہے پرفشاں

انسانی زندگی یا پوری زندگی مادے کی ارتقائی شکل ہے لیکن چونکہ مادہ کسی بھی حالت میں جمود پذیر نہیں رہ سکتا اس لئے مادے کی عام شکل ہو یا ارتقائی شکل ہو اس نے ایک حالت میں رہنا ہی نہیں ہوتا اس لئے مادے کے اپنی ہیئت کو تبدیل کرنے کے

Marfat.com

عمل سے نہ تو کائنات میں کسی قسم کی کمی واقع ہوتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی اضافہ ہوتا ہے جو کسی نقصان (موت) کا جواز بن سکے۔ جب انسان کے ذہن میں موت کا تصور ابھرتا ہے تو وہ بڑا خوفناک اور نقصان کرنے والی چیز کا تصور بنتا ہے لیکن جس طرح مادے کا انسانی وجود میں آنا کسی بھی اضافے کا باعث نہیں ہوتا اسی طرح مادے کا مزید تبدیلی سے ہم کنار ہو جانا کسی بھی کمی یا نقصان کا باعث نہیں ہوتا اس کائنات کے اندر موت کہیں موجود نہیں ہے صرف زندگی ہی زندگی ہے جو کہ اپنی شکلیں تبدیل کرتی رہتی ہے۔ یہ کائنات موجود ہے اور یہ موجود ہی رہے گی اس میں عدم کا کوئی وجود نہیں ہے اس لئے جہاں عدم نہ ہو وہاں موت بھی نہیں ہوسکتی۔ میرا وجود مادہ ہے جو خلا کے اندر اپنی ہیئت تبدیل کر رہا ہے یہ تبدیلی فطری عمل سے بھی ہوتی ہے اور حادثاتی عمل سے بھی وقوع پذیر ہوتی ہے جیسے اجرام فلکی میں سے کوئی ایک رکن کسی وجہ سے اپنا محور چھوڑ دے اور کسی دوسرے جرم سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے یا جیسے میری سانس بند ہو جائے اور میرا وجود جو ایک پراسیس کے تحت مادے سے الگ ہو کے خود حرکت پذیر ہوا تھا پھر اسی مادے میں مل کر مادی عمل میں شامل ہو جائے اس کا مطلب یہ ہے یہ فطری عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ اس لئے مادے کا حرارت اور عدم حرارت سے اثر پذیری کا عمل وقت کی قید سے آزاد ہے حرارت نے مادے کو مختلف حالتوں میں بدل دیا ہوا ہے زمین کے پیٹ میں مادہ حرارت کی وجہ سے سیال حالت میں رہتا ہے زمین کی سطح پر حرارت کم ہے حرارت کے علاوہ اور کئی عناصر کے فطری طور پر اثر انداز ہونے کی وجہ سے مادے کی ہیئت تبدیل ہوتی ہے۔ انسانی شعور جو کہ مادے ہی کی ارتقا پذیری کا نتیجہ ہے نے یہ معلوم کیا کہ مادہ کسی خاص درجہ حرارت میں رہے تو زندگی جنم لیتی ہے اور اگر یہی حرارت زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے تو زندگی پھر مادے کی شکل اختیار کرلیتی ہے جو کہ اصولی طور پر کسی نہ کسی حوالے سے زندگی کا حصہ ہی رہتا ہے اور یہ عمل مسلسل ہو رہا ہے اس عمل کے اندر انسان کا تصور فنا نہیں ملتا اس لئے موت کوئی چیز نہیں اور چونکہ خلا کے اندر فطری عمل کے تحت جس کی محرک حرارت ہے مادہ اپنی ہیئت بدل رہا ہے اس کا

مطلب یہ ہے کہ جو بھی چیز حرکت میں ہے کبھی نہ کبھی اس کی حرکت میں تبدیلی آتی ہے اس تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ مادہ مختلف صورتوں میں حرکت پذیر ہے جو کہ کبھی جاندار صورت اختیار کرتا ہے کبھی نباتاتی صورت اختیار کرتا ہے اور کبھی پھر سے اپنی پہلی شکل میں آ جاتا ہے۔ جس طرح مادے سے انسان کے وجود نے ایک خاص درجہ حرارت کے تحت اپنی شکل اختیار کی اسی طرح حیواناتی زندگی بھی وجود میں آئی اور اسی طرح نباتاتی زندگی نے بھی جنم لیا اور ہمارے دیکھتے دیکھتے ان زندگی کی تمام صورتوں نے پھر سے مادے کی شکل اختیار کرلی جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ مادہ کسی بھی صورت یا کسی بھی حالت میں جمود کی حالت میں نہیں رہتا بلکہ حرکت میں رہتا ہے اور اپنی ہیئت تبدیل کرتا رہتا ہے۔

جہاں تک وقت کا تعلق ہے اگر یہ کہا جائے کہ وقت حرکت کا نام ہے یا وقت حرکت پذیر ہے تو مضمون کے شروع میں انسانی حوالے سے وقت کا جو تصور ہمارے ذہن میں بنتا ہے اس وضاحت کا کائناتی حوالے سے کوئی تصور نہیں بنتا۔ یہ ستارے اور سیارے جن میں چاند اور سورج سب شامل۔ہیں اور جس صورت حال میں آج ہمیں یہ نظر آرہے ہیں گزشتہ وقت میں یہ ایسے نہیں تھے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب موجود ہی نہیں تھے اس لئے ان کی گردش سے جس وقت کا تعین کیا گیا ہے وہ منطقی اعتبار سے ناقابل یقین ہے کیونکہ مستقبل میں ان کی صورت حال بدل سکتی ہے اس لئے یہ کسی قسم کے وقت کے شواہد قرار نہیں دیئے جاسکتے یہی وجہ ہے کہ کائناتی حوالے سے انسان کا ذہن وقت کی ماہیت کو جاننے کا شعور نہیں رکھتا اس کائنات کی ہر چیز حرکت میں ہے یہ انسان کا شعوری تصور ہے لیکن اس حرکت کی علت کیا ہے۔ یہ انسان کے شعوری تصور سے ماورا ہے۔ اگر ہر شے حرکت میں ہے تو اس کے لئے جگہ کا ہونا لازمی ہو جاتا ہے جو کہ خلا کی صورت میں موجود ہے اور جمود کی حالت میں ہے اور انسانی ذہن میں اس کا ادراک ہے اس لئے یہ بات منطقی طور پر حقیقت کے زیادہ قریب ہے کہ خلا موجود ہے جس کے اندر زندگی اور پوری کائنات حرکت پذیر ہے۔ کائناتی حوالے سے وقت کی ایک مثال دیکھیں فرض کریں ایک بچہ کسی غار میں

Marfat.com

داخل ہوگیا اور وہ غار کے اندر ہی جوان ہوگیا اور اندر ہی بوڑھا بھی ہوگیا ہے۔ اب وہ غار سے باہر نکل آیا ہے تو کائناتی حوالے سے جس لمحے وہ غار کے اندر داخل ہوا تھا اسی لمحے وہ باہر نکل آیا ہے اس نے غار کے اندر کوئی لمحہ نہیں گزارا لیکن انسانی حوالے سے بہت سارے سال گذر چکے ہیں کیونکہ انسان کے سال گردش لیل و نہار کے حوالے سے بنائے گئے ہیں اس گردش لیل و نہار کا کائنات سے تو تعلق ہے لیکن وقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ وقت کا تصور انسانی شعور کا پر تو ہے لیکن کائناتی حوالے سے وقت کوئی چیز نہیں ہے۔

وقت اور موت ایک ایسا سوال ہے جو انسان کے لئے سب سوالوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ میں اس حقیقت سے آشنا ہوں کہ میرا یہ مختصر سا مضمون اس گمبیر مسئلے کا حل نہیں ہے کیونکہ انسانی ذہن اس مسئلے کے بارے میں نہ صرف بہت زیادہ الجھا ہوا ہے بلکہ اس مسئلے کے بارے میں ایک مختلف سمت میں سوچ بچار کرتے کرتے اتنا دور نکل گیا ہے کہ اسے اس مقام پر واپس آنے میں بہت وقت درکار ہے جس مقام سے انسانی ذہن اس مسئلے کے بارے میں چلا تھا۔ اگر انسانی ذہن ابتدائی مقام پر واپس آجائے اور اس مسئلے کی نئی سمت میں آگے بڑھنا شروع کرے تو اس کا سفر آسان ہو سکتا ہے جس کی میں نے نشان دہی کر دی ہے۔

Marfat.com

مادہ اور ذہن کی تخصیص

برکلے سوال کرتا ہے "کیا ذہن کے بغیر عالم مادی موجود ہے؟ اور پھر خود ہی جواب دیتا ہے "ذہن کے بغیر مادہ اپنا مستقل وجود نہیں رکھتا" اور برکلے یہ بات بھول گیا کہ اگر اس کے سوال کو الٹا دیا جائے تو سوال یہ بنے گا "کیا عالم مادی کے بغیر ذہن موجود ہے"؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہوگا "عالم مادی کے بغیر ذہن اپنا ہونا ثابت کر ہی نہیں سکتا" تو گویا ذہن کے لئے جسم کا ہونا لازمی ہے ورنہ ذہن اپنا ہونا کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ جسم اور ذہن و شعور کی بحث بہت طویل ہے اور یہ کئی ہزار سال سے چل رہی ہے لیکن نتیجہ آج بھی صفر کے برابر ہے برکلے کہنا یہ چاہتا ہے کہ اگر ذہن نہ ہو تو کسی بھی چیز کے ہونے کا ثبوت مہیا کون کرے گا کیونکہ ذہن ہی نے یہ بتایا کہ مادہ ہے لیکن آج ہم اس حقیقت سے آشنا ہیں (ممکن ہے ماضی کا انسان اس حقیقت سے آشنا نہ ہو) کہ جب ذہن موجود نہیں تھا تو اس وقت مادہ موجود تھا اس بات کی تصدیق بھی خود ذہن ہی کرتا ہے۔ اس موقع پر جو ذہن زیر بحث ہے وہ انسانی ذہن ہے جو کہ انسانی وجود کا رہین منت ہے کیونکہ انسانی جسم پہلے بنتا ہے اور ذہن اس کے اندر بعد میں پیدا ہوتا ہے ذہن کوئی بیرونی چیز نہیں ہے جو باہر سے جسم کے اندر داخل ہوتا ہے بلکہ جسم کے ایک ارتقائی عمل کا نام ذہن ہے جس کی جسم سے الگ کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ جدید نفسیات میں بھی اس تخصیص کو ختم کر دیا گیا ہے یہاں میں ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جو میں نے "تاریخ فلسفہ جدید" ڈاکٹر نعیم احمد پنجاب یونیورسٹی صفحہ ۲۷ سے نقل کیا ہے ملاحظہ کریں یہ اقتباس گلبرٹ رائل کی تحریر ہے جو بی بی سی لندن سے نشر ہونے والے ایک مذاکرے کی صورت میں چھپی ہوئی کتاب سے لیا گیا تھا جس کا نام **The Physical Basis of Mind** ہے اس مذاکرے میں نامور سائینسدانوں نے شرکت کی تھی "جسم و ذہن کی تخصیص زمانہ قدیم کے ایک بے معنی تصور کی حیثیت رکھتی ہے جس کا دور حاضر کی سائنس اور فلسفیانہ بحثوں میں

Marfat.com

استعمال ناجائز ہے اس نے کسی پسماندہ علاقے کے دہقانوں کی ایک کہانی بیان کی ہے جنہوں نے ریلوے انجن کو پہلی بار دیکھا تو دہشت زدہ ہو گئے بعد ازاں انہیں انجن کی کارکردگی کے بارے میں بتایا گیا لیکن وہ اس بات پر مصر رہے کہ انجن کے اندر کوئی گھوڑا ہے جو اسے کھینچتا ہے۔ پھر ان کو انجن کے اندر لیجا کر دکھایا گیا کہ اس کے اندر کوئی گھوڑا نہیں تھا لیکن سادہ لوح دہقانوں نے انجن کے اندر کوئی گھوڑا نہ پا کر بھی اپنے عقیدے سے انحراف نہ کیا اور کہا کہ انجن کے اندر ضرور گھوڑے کا غیر مرئی بھوت ہوگا جو اسے کھینچتا ہے" یہ جو گلبرٹ رائل صاحب نے دہقانوں کی مثال دی ہے یہ دراصل انسانی فطرت کی مثال ہے ہم دیکھتے ہیں بعض بہت زیادہ علم و فضل رکھنے والے عالم فاضل افراد کئی ہزار سال پہلے کی روایات و خیالات کا تمام زندگی بڑی جوانمردی سے پرچار کرتے رہتے ہیں ان کے نزدیک وہ خیالات و روایات حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں حالانکہ زمانہ صدیوں آگے بڑھ چکا ہوتا ہے اور ان پرانے تصورات کی ان کے اپنے عہد کو کسی بھی صورت میں ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ ان کی تعلیمات وقت کا ساتھ نہیں دیتیں۔ ایسے لوگ بے شک پر خلوص ہو کر اپنی Cause کیلئے سرگرداں رہتے ہیں لیکن ان کا خلوص اور ان کی جہد مسلسل انسانوں کے کسی کام نہیں آتی سوائے اس کے کہ ان کی تگ و دو ان کے داخلی سکون کا کچھ نہ کچھ باعث ہوئی ہے۔ جبکہ دستور حیات یہ ہے کہ جو کچھ بھی یہ سب کر رہے ہیں اگر وہ سب انسانی سوسائٹی کے لئے کسی بھی اعتبار سے مفید نہیں ہے تو وہ سب انسانی سوسائٹی کے خلاف ہو رہا ہے جو ایک جرم ہے۔

Marfat.com

انسانوں میں ذہنی اختلافات کے اسباب

ماہرین طب نے ایک طویل مجادلانہ تگ و دو کے بعد انسانی شخصیت کی ماں کے پیٹ میں گروتھ کے بارے میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس کے مطابق والدین کی طرف سے وراثت کے طور پر بچے کی جسمانی ساخت پر اثرات مرتبہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے عام طور پر بچوں کی جسمانی مشابہت کا اظہار ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی اوصاف میں مماثلت پائی جاتی ہے ان تمام اثرات کو داخلی اثرات کہا گیا ہے۔ لیکن ماہرین کے مطابق بچے کی ذہنی شخصیت کی تکمیل میں داخلی اثرات کم کردار ادا کرتے ہیں اور خارجی اثرات زیادہ کردار ادا کرتے ہیں۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ انسانوں میں جو ذہنی اختلاف پایا جاتا ہے وہ بنیادی طور پر پسند اور ناپسند کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے لیکن ہم اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں دیکھیں تو انسانوں میں ذہنی اختلاف فطری طور پر موجود ہے جس کو زیر بحث لا کر دیکھا جائے کہ وہ خارجی اثرات کیا ہیں جو ماں کے پیٹ میں فطری عمل کے دوران بچے کی ذہنی شخصیت کی تکمیل میں میجر رول ادا کرتے ہیں۔ خارجی اثرات کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ جس دورانئے میں بچہ ماں کے پیٹ میں رہا اس دورانئے کے حالات و واقعات جو بھی رہے انہوں نے ماں کو جیسے جیسے متاثر کیا ہو گا اس کے اثرات بچے کی شخصیت پر مرتب ہوئے ہونگے لیکن اتنا کہہ دینے سے بات کی وضاحت نہیں ہوتی اس لئے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر ایک بچے کی ماں کے پیٹ میں پرورش کے دورانئے کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس دورانئے میں کیا کیا واقعات کس ترتیب سے رونما ہوئے ہونگے جن سے بچے کی ماں متاثر ہوئی ہوگی انہی واقعات کے اثرات بچے کی شخصیت پر بھی مرتب ہوئے ہونگے۔ اگر ایک بچہ مقررہ دورانیہ اپنی

Marfat.com

ماں کے پیٹ میں پرورش پائے تو وہ بچے دانی میں انتالیس لاکھ منٹ گزارتا ہے جو کہ تقریباً" نو ماہ کا عرصہ ہوتا ہے۔ ان انتالیس لاکھ منٹوں کے دوران ماں کے مزاج اور دل و دماغ پر جو کیفیات وارد ہوتی ہیں وہ غالباً" یہ ہیں۔ موسم کے اعتبار سے گرمی' سردی اور معتدل درجہ حرارت' خوراک کے اعتبار سے بھوک' پیاس اور بسیار خوری جسمانی اعتبار سے مشقت' بیماری' کوئی عارضہ یا بے آرامی انسانی جذبوں کے اعتبار سے غم' خوشی' محبت' نفرت' غصہ' حسد' خوف' کامیابی' ناکامی' غرور' برداشت' محرومی اور امید وغیرہ یہ ہیں وہ خارجی عوامل جو ایک بچے کی پرورش کے دوران اس کی ماں کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض اوقات کئی گھنٹوں کے دوران کسی حاملہ ماں کی ذہنی کیفیت ایک سی بھی ہو سکتی ہے پھر وقت کو منٹوں میں تقسیم کرنے کی کیا ضرورت ہے لیکن ہم اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ بعض اوقات انسانی زندگی میں ایسا وقت بھی آتا ہے جب اس کی ذہنی کیفیت چند سیکنڈ بعد بدلتی رہتی ہے اور مختلف جذبات و احساسات اس کی ذہنی حالت کو متاثر کرتے ہیں اس حوالے سے دیکھا جائے تو وقت کو لمحوں میں تقسیم کرنا پڑیگا لیکن میں نے مثال کے طور پر نو ماہ کے دورانئے کو منٹوں میں بدلا ہے تاکہ مثالی لمحوں کا تناسب قریب قریب رہے اور بات سمجھنے میں آسانی ہو اب اگر فرض کرلیا جائے کہ ایک بچے کی پیدائش سے پہلے کا وقت منٹوں کے حساب سے ایک ایک کر کے گزر رہا ہے اور ماں کی ذہنی کیفیت مختلف اثرات کے تحت ہر منٹ بعد بدل رہی ہے اور اس تبدیلی کا باعث وہ عوامل ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ عوامل میں سے کئی کے اثر انداز ہونے کی نوبت ہی نہ آئی ہو اور کئی ایسے عوامل اثر انداز ہوئے ہوں جن کا میں ذکر ہی نہیں کرپایا۔ اس موقع پر ایک بات جو پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے یہ ہے کہ اس نو ماہ کے عرصے میں اس حاملہ ماں کے دل و دماغ پر جو بھی عوامل اثر انداز ہوئے ہونگے ان کی ایک ترتیب ہو گی جسے نہ تو کوئی ماہر جان سکتا ہے اور نہ ہی وہ ماں جان سکتی ہے جس پر وہ عوامل کسی ترتیب سے وارد ہوتے رہے ہیں لیکن کہنے کی بات یہ ہے کہ وہ عوامل جو کسی ایک بچے کی پرورش کے دوران اس کی ماں کے دل و

Marfat.com

دماغ پر جس ترتیب سے وارد ہوئے تھے دوسرے بچے کی پرورش کے دوران اسی ترتیب سے اور اسی مقدار میں اتنے اتنے عرصے بعد کسی صورت میں وارد نہیں ہو سکتے۔ یہ ہیں وہ خارجی عوامل جن کے بارے میں ماہرین طب نے اپنی طویل تحقیق کے بعد کہا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی شخصیت کی تعمیر میں داخلی عوامل کے مقابلے میں خارجی عوامل کی اکثریت اثر انداز ہوتی ہے یہ ہیں انسانوں میں ذہنی اختلاف کے اسباب جن کی بنا پر ایک باشعور انسان دوسرے باشعور انسان سے کئی اعتبار سے ذہنی اختلاف رکھتا ہے۔

تصوریت :۔ انسانی مسائل میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور انسان کے تصورات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے انسان مذہبی حوالے سے بھی Idealist ہے' شخصی حوالے سے بھی Idealist ہے اور خواہشات کے حوالے سے بھی Idealist ہے۔ مذہبی طور پر انسان اپنے معبود کو اپنا آئیڈیل خیال کرتا ہے اس لئے اس جیسا کسی اور کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ شخصی حوالے سے وہ جس شخصیت کو اپنے سے بہتر خیال کرتا ہے اس کے مقابلے میں کسی اور شخصیت کو اس کا ہم پلہ دیکھنا نہیں چاہتا اور خواہش کے حوالے سے بھی اپنی خواہش کو باقی تمام لوگوں کی خواہشات سے اعلیٰ تصور کرتا ہے اور اسے پورا کرنے کیلئے کچھ بھی کرنے کیلئے تیار رہتا ہے اپنے اس Idealism کے تصور کو عملی شکل میں دیکھنے کیلئے تمام زندگی کوشاں رہتا ہے اس سلسلے میں جو لوگ اس کو اپنے راستے میں حائل نظر ہوتے ہیں ان کو راستے سے ہٹانے کیلئے اپنی جان پر کھیل جانے سے بھی دریغ نہیں کرتا یا اپنے Ideal کے حصول میں جن رکاوٹوں کو اپنے راہ میں حائل سمجھتا ہے ان کو دور کرنا ہی مقصد حیات تصور کرتا ہے۔ یہ سلسلہ کئی کئی نسلوں تک چلتا رہتا ہے اور اس میں اسقدر شدت آ جاتی ہے کہ انسان اپنے ان نظریات میں جنون کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ میں بات کرتے ہوئے صیغہ واحد کا استعمال کر رہا ہوں لیکن میری مراد نوع انسان کے تمام گروہ ہیں جو کئی کئی ملکوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کے درمیان ایک بھیڑ چال کی طرح ایک دوڑ شروع ہو جاتی ہے جس میں ہر فرد دوسروں سے بازی لے جانا چاہتا ہے اور وہاں مقصدیت قسم کی کوئی چیز

باقی نہیں رہتی اگر یہ کہا جائے کہ اس جنونی کیفیت میں پوری نوع انسان شامل ہے تو اس لئے یہ بات بے جا نہ ہو گی کہ پورے کرہ ارض پر تمام اقوام عالم ایک دوسرے کی نقالی کی طرف خاص طور پر دھیان دیتی ہیں اور جن قوموں کو ترقی یافتہ تصور کیا جاتا ہے ان اقوام کی نقالی کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے اس سلسلے میں اکثر اوقات بعض قوموں کی کئی کئی سالوں پر محیط جدوجہد بالکل رائیگاں چلی جاتی ہے کیونکہ بلا سوچے سمجھے دوسروں کی نقالی بے وقت کی راگنی بن کے رہ جاتی ہے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام آپ کو ۱۰۰ سو سال پہلے کرنا چاہیے تھا وہ کام آپ آج کر رہے ہیں جب کہ اس کی افادیت سو سال پہلے کے مقابلے میں آج بالکل ختم ہونے والی ہے اور اس کی جگہ نئی اقدار نے اپنا مقام بنانا شروع کر دیا ہوتا ہے کیونکہ زندگی تغیرات سے عبارت ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی اقدار کی افادیت بدلتی رہتی ہیں اور انسان شعوری طور پر ان تبدیلیوں سے لا علم رہتا ہے انسانی سوسائٹی میں ایک طبقہ ایسا ہے جو مالی طور پر خوشحال ہوتا ہے اور وہ آئے دن نئے نئے فیشن کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے جس کا اثر اس سے نچلے طبقے پر بھی پڑتا ہے لیکن یہ مالی اعتبار سے خوشحال طبقہ ذہنی طور پر انسانی حوالے سے دیکھا جائے تو بہت پست خیالات کا مالک ہوتا ہے اس سطح پر زندگی گزارنے والوں کی اکثریت اپنے اعمال کے اعتبار سے ایک خوف کا شکار رہتی ہے یہ لوگ سوسائٹی کے قوائد و ضوابط کی خلاف ورزی کرنے میں ماہر ہوتے ہیں اور لوازمات حیات اور جائیداد کے اعتبار سے خود کفیل ہونے کے باوجود جیسے بھی ممکن ہو اپنے مال و دولت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں اور ان کا یہ عمل کسی داخلی اور خارجی خوف کا باعث بنا رہتا ہے یہ سب کچھ بھی ان کے Idealism کا ہی نتیجہ ہوتا ہے ایسی سوچ رکھنے والے افراد تصنع کے تحت ہی ساری زندگی گزار دینے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے کارناموں سے پردہ اٹھانے کے اہل نہیں ہوتے یہی لوگ سوسائٹی کے اصل مجرم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

تعلیمات انسان کو برائی سے نہیں روکتیں

یہ بات حقائق پر مبنی نہیں ہے کہ انسانی سوسائٹی میں جو مختلف مکاتب فکر کی تعلیمات ہیں وہ انسان کو برائی سے روکتی ہیں انسان جب کوئی برائی کرنا چاہتا ہے تو اس کا جواز وہ خود تلاش کر لیتا ہے بشرط کہ اسے برائی کرنے کا اختیار ہو جہاں تک نئی نسل (معصوم ذہن) کا تعلق ہے اسے برائی سے روکا جاتا ہے اور اسے برائی کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ آپ بچے کو انفرادی طور پر چاہے کسی بھی طرح کی تہذیب سکھادیں اس کے بعد آپ اسے جس طرح کے معاشرے میں چھوڑیں گے وہ زندہ رہنے کیلئے خود کو اس کے مطابق ڈھال لے گا کیونکہ اسی میں اس کی بقا ممکن ہوتی ہے مثال کے طور پر ایک ایسا معاشرہ ہے جس میں جو لوگ رہتے ہیں ان میں سے کوئی فرد بھی کوئی برائی نہیں کرتا آپ اس معاشرے میں ایک ایسے فرد کو چھوڑ دیں جو ذہنی طور پر برائی کرنے کے طریق کار سے آشنا ہے اور برائی کرنا اس کی عادت میں شامل ہے۔ لیکن جب وہ یہ دیکھے گا کہ اس ماحول میں جو چیز برائی کے ذریعے حاصل کرنا تھی وہ برائی کئے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے تو وہ آدمی خود کو یا تو اس ماحول میں ڈھال لے گا یا برائی کیلئے اپنا الگ گروپ بنانے کی کوشش کرے گا کیونکہ ممکن ہے وہ فرد جبلی طور پر برائی سے بہت زیادہ مانوس ہو اس کے باوجود اگر وہ اپنا الگ گروپ بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا تو خود کو مجبوراً" اس ماحول میں ایڈجسٹ کر لے گا۔ یہی صورت حال اس شخص کی ہوگی جو ایسے ماحول میں چلا جائے جس میں اس کے نقطہ نظر کے مطابق برائی زیادہ ہو اور خیر یا نیکی بہت کم ہو یا بالکل نہ ہو کسی ایک نقطہ نظر کے مطابق مذکورہ دو معاشرے ایسے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اب ایک تیسرے معاشرے کی مثال لیتے ہیں جس میں بہت سارے مکاتب فکر ہیں جو اپنے اپنے نظریات کے مطابق اپنے اپنے ہم خیال لوگوں کو اور اپنی اولاد کو تہذیب سکھاتے ہیں یہ ہیں وہ تین معاشرے جو انسانی زندگی میں ماضی بعید سے لے کر آج تک ہر عہد میں موجود رہے

ہیں اور پورے روئے زمین پر موجودہ انسان ان تین معاشروں میں ہی زندگی گزار رہا ہے اس لئے ان تینوں صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ سب سے پہلا معاشرہ وہ ہے جس میں برائی کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے دوسرا معاشرہ وہ ہے جس میں خیر و شر کی تمیز نہیں ہے لیکن لوگ خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں اور تیسرا معاشرہ وہ ہے جس میں مختلف مکاتب فکر کے لوگ رہتے ہیں اور اپنے اپنے نقطہ نظر کا فروغ چاہتے ہیں۔ میرے نقطہ نظر کے مطابق پہلے معاشرے کی تشریح یہ ہے کہ اس معاشرے کے جو بھی قواعد و ضوابط ہیں ہر فرد ان کی پابندی کرتا ہے اور لوگ بہتر طور پر زندگی گزار رہے ہیں۔ دوسرا معاشرہ ایسا ہے جس میں قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے لیکن صورت حال کنٹرول میں رہتی ہے اور لوگ کافی حد تک خوش ہیں لیکن اس معاشرے کو پہلے معاشرے کی مثال نہیں کہا جا سکتا۔ اب آیئے تیسرے معاشرے کی طرف جس کے قواعد و ضوابط سے اختلاف کرنے کا جواز ہر مکتبہ فکر کے پاس ہوتا ہے ایسے معاشرے میں سماجی' معاشی اور اخلاقی اقدار ہی ایک نہیں ہوتیں سب مکاتب فکر کی اپنی اپنی نظریاتی روایات ہوتی ہیں جن کو وہ سارے طبقات اپنے اپنے نظریات کے تحت زندہ رکھنا چاہتے ہیں اس لئے ان تمام گروہوں کو کئی محاذوں پر تگ و دو کرنا پڑتی ہے مثال کے طور پر سب فرقوں نے زندہ رہنے کیلئے جدوجہد کرنا ہوتی ہے یہ تو پہلا محاذ ہے سب طبقوں کے نظریاتی اختلافات کا دوسرا محاذ ہے۔ ملکی سطح پر تیسرا محاذ ہے اور چوتھا سرحدوں پر جنگی محاذ ہوتا ہے جس پر تمام طبقوں کو اجتماعی طور پر نہ صرف جنگ کے لئے تیار رہنا ہوتا ہے بلکہ فوجی اخراجات مسلسل برداشت کرنا پڑتے ہیں اس قسم کا معاشرہ کبھی بھی خوشحال نہیں ہو پاتا کیونکہ ایسے معاشروں میں انفرادی اور اجتماعی طور پر اتنے زیادہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس کی معاشی ترقی رک جاتی ہے اور ہر وقت بقائے حیات کا مسئلہ درپیش رہتا ہے کئی طرح کے جرائم سر اٹھاتے رہتے ہیں لوگ اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو جاتے ہیں نفسانفسی کا عالم رہتا ہے اور پورا معاشی ڈھانچہ غیر یقینی حالات کی نظر ہو جاتا ہے ایسے حالات میں رہنے والے لوگوں کا جس طرح معیار زندگی زیادہ ترپست رہتا ہے اسی طرح قومی

Marfat.com

کردار بھی زوال کی زد میں رہتا ہے یہ سب کچھ لکھنے پڑھنے تک محدود نہیں ہے بلکہ ہم سب ایسے حالات کے چشم دید گواہ ہیں۔ برصغیر اور اس کے کچھ ملحقہ علاقے ایسے ہیں جہاں کے حالات اس قدر الجھ چکے ہیں کہ ان پر دلدل کا احساس ہوتا ہے جس میں سے یہاں کے باشندے کبھی نکل نہیں پائیں گے اس لئے یہاں کے حالات کبھی سدھر نہیں سکتے تاوقتیکہ لوگوں کی سوچ بدل جائے۔ دنیا میں اور بھی کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں کے حالات بہت خراب ہیں لیکن ان کی نوعیت مختلف ہے۔ لیکن تمام دنیا میں جہاں کہیں بھی انسانی مسائل کی بنیاد نظریاتی اختلافات پر ہو کہا جاسکتا ہے کہ وہاں کے حالات کئی اعتبار سے یہاں کے حالات سے ملتے جلتے ہیں۔

میں نے مضمون کے شروع میں کہا تھا کہ تعلیمات انسان کو برائی سے نہیں روک سکتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام مکاتب فکر اپنی اپنی جگہ بچوں کو جو بھی تعلیم دیتے ہیں جب وہ بچے عملی زندگی میں داخل ہوتے ہیں تو ان کو اس تعلیم کی عملی شکل و صورت کہیں بھی نظر نہیں آتی نہ ان کے والدین عملی زندگی میں ان تعلیمات کا صحیح نمونہ پیش کرپاتے ہیں اور نہ ہی ان کو اپنی سوسائٹی میں ان تعلیمات کی کوئی مثال ملتی ہے بلکہ جیسی صورت حال ان کو معاشرے میں نظر آتی ہے وہ خود کو اس کے مطابق بنا لیتے ہیں جبکہ تمام مکاتب فکر اپنے اپنے نظریئے کے مطابق اپنی نئی آنے والی نسلوں کو تعلیم دیتے رہتے ہیں جو صرف پڑھنے پڑھانے تک تو موجود رہتی ہے لیکن اس کی عملی صورت کبھی سامنے نہیں آتی کیونکہ اس نظریاتی تعلیم کیلئے معاشرے میں پہلے سے ماحول تیار ہی نہیں کیا گیا ہوتا۔ اس حوالے سے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ تعلیم انسان کو برائی سے نہیں روک سکتی اس سلسلے میں بہت ساری انفرادی مثالوں سے بھی یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے لیکن موجودہ عہد کے تقاضوں کے مطابق اجتماعیت کے حوالے سے بات کرنا ہی مناسب ہے کیوں کہ علم و آگہی اور تہذیب و علوم کا پھیلاؤ مکمل طور پر اجتماعی صورت اختیار کرچکا ہے۔ کوئی مکتب ہو' نرسری کلاس ہو' پہلی جماعت ہو' سکول ہو' کالج ہو' یونیورسٹی ہو' ریڈیو ہو' ٹیلی ویژن ہو یا ذرائع ابلاغ ہوں۔ یہ سب کے سب علم و آگہی اور تہذیب و ثقافت کے مراکز

Marfat.com

ہیں جو اجتماعی طور پر درس و تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور ان کی تعلیمات کے نتیجے میں مذکورہ بالا تین معاشرے وجود میں آتے ہیں یا آ سکتے ہیں۔ پہلے نمبر پر جس معاشرے کا میں نے ذکر کیا ہے اس معاشرے کی انسان کو ضرورت ہے جس کا روئے زمین پر کہیں کہیں عکس تو نظر آتا ہے لیکن مکمل صورت میں وہ معاشرہ انسانی سوسائٹی میں ابھی کہیں بھی وجود میں نہیں آیا۔ ابتدائے زمانہ ہی سے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ باقی دونوں معاشرے چلے آ رہے ہیں ماضی میں ان دونوں معاشروں کی بہت بری حالت تھی اب بری حالت ہے ہو سکتا ہے آگے چل کر پہلا معاشرہ بن جائیں اور روئے زمین پر نوع انسان بہتر زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے جس کی اسے ابتدائے زمانہ سے آرزو ہے۔

اب نفسیاتی طور پر دیکھتے ہیں کہ تعلیمات انسان کو برائی سے کیوں نہیں روکتیں تاریخی تناظر میں دیکھیں تو ہمیں بہت ساری ایسی مثالیں مل جائیں گی کہ بہت ساری قد آور شخصیتیں ہو گزری ہیں جن کے پاس بالکل تعلیم نہیں تھی لیکن انہوں نے انسانی سوسائٹی کو برائی سے روکا اور بھلائی کا درس دیا اور اپنی بساط کے مطابق مختلف طریقوں سے لوگوں کو محبت' رواداری اور فلاح کا راستہ دکھایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں کوئی اور ایسا وصف ضرور ہے جو اسے برائی سے روکتا ہے کیونکہ اگر انسان برائی سے باز نہ آئے تو آج ہم جو کچھ روئے زمین پر دیکھ رہے ہیں یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ انسان کی فطرت میں جتنی قوتیں ہیں ان میں خیر کی قوت موجود ہوتی ہے۔ جب وہ قوت دوسری قویٰ پر غالب آجاتی ہے تو انسان بھلائی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ انسان نے اپنے اندر کی قویٰ کو جذبوں کا نام دے رکھا ہے اور ان جذبوں کے تحت ہی ہر انسان زندگی گزارتا ہے انسان کے یہ جذبے اس کے حالات و واقعات کے تحت بدلتے رہتے ہیں مثال کے طور پر انسان اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں اپنے جذبوں کی شدت کو کم یا زیادہ بھی کرتا رہتا ہے انسانی سوسائٹی میں جتنا بھی فتور ہے وہ سب انسان کے بعض اندرونی جذبوں کی شدت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے انسان کے بہت سارے جذبوں میں سے ایک جذبہ یہ ہے کہ ہر آدمی اپنی

خواہش کی تکمیل چاہتا ہے بچپن سے لے کر آخری سانس تک ہر انسان اسی جذبے کے تحت زندگی گزارتا ہے اس جذبے کی وضاحت یہ ہے کہ میرا ایک ہمدرد میری کسی خواہش کی تکمیل چاہتا ہے اس صورت میں اب میری خواہش میرے دوست کی خواہش بھی بن گئی ہے کیونکہ اس خواہش کو پورا کرنے کیلئے میرا دوست کام کر رہا ہے مطلب یہ ہے کہ بچوں کی خواہشات پوری کرنا ماں باپ کا جو فرض تھا اب وہ فرض ماں باپ کی خواہش میں تبدیل ہو گیا ہے کیونکہ اب وہ بچوں کی خواہش کو اپنی خواہش خیال کرتے ہیں اور انسانی سوسائٹی میں ان افراد کی اکثریت ہے جو تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے سوسائٹی کے قواعد و ضوابط کی پرواہ نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان لوگوں میں تکمیل خواہش بڑی شدید ہوتی ہے اور وہ لوگ بھی ان میں ہی شامل ہوتے ہیں جن کی یہ خواہش شدید نہیں ہوتی ان کو اپنی اس خواہش پر قابو ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ اس خواہش کی جگہ کسی اور جذبے کی شدت کا شکار ہوتے ہیں۔ اب اس تفصیل میں تو جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ جن لوگوں کی اکثریت تکمیل خواہش کی شدت کا شکار ہے وہ کیا کچھ کر گزرتے ہیں ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں یہ اس کی زندہ مثال ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ گزشتہ معاشرے بھی ایسے ہی تھے اور انسان کو جس مثالی معاشرے کی تلاش ہے گزشتہ وقتوں کے مقابلے میں انسان اب اپنے اس مطلوبہ مثالی معاشرے کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے اگر اس نے اپنی کسی بڑی کوتاہی کی وجہ سے اپنا راستہ بدل نہ لیا تو آئندہ سو سال سے بھی پہلے روئے زمین پر کسی بھی جگہ انسان اپنے لئے ایک مثالی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کیونکہ اب انسان انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی مشاورت کی طرف بڑھ رہا ہے جو اس کو انانیت کے مضرات سے روکتی ہے اور اشتراکیت کی افادیت سے آشنا کرتی ہے کیونکہ تکمیل خواہش یا تکمیل آرزو کے جذبے کے تحت انسان ایک طرف مشاورت سے بے نیاز ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنے کام کو راز میں رکھنا چاہتا ہے جبکہ مشاورت میں انسان کو یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ وہ اپنی ذات کو دوسرے یا مخالف انسان کی جگہ رکھ کر تجزیہ

Marfat.com

کرے اور یہ تجزیہ وہ مقدمہ ہے جس کے حق میں فیصلہ دینے پر انسان کے اپنے ضمیر کی عدالت مجبور ہو جاتی ہے اور جب دوسرے کا خیال کر لیا جائے تو ہر مسئلے کا حل مل جاتا ہے۔ یہ رہنمائی انسان کو تجربات اور مشاہدات سے حاصل ہوتی ہے۔ تعلیمات عملی زندگی میں مددگار تو ثابت ہوتی ہیں لیکن برائی سے نہیں روکتیں بلکہ برائی کرنے میں ممد ضرور ہوتی ہیں۔ اس ساری بات کو سمیٹتے ہوئے یہ کہنا ہے کہ سوسائٹی کے قواعد و ضوابط ہوں یا کسی مکتبہ فکر کی رشد و ہدایت ہوں ان کی حیثیت کتابی علوم کی ہوتی ہے جو انسان کو برائی سے نہیں روک سکتے انسانی سوسائٹی میں برائی کی اساس منفی سوچ پر استوار ہوتی ہے اس لئے انسان کو ہدایات کی ضرورت نہیں ہوتی صرف مثبت سوچ کی ضرورت ہوتی ہے جس کے تحت وہ اپنے تجربات اور مشاہدات کی رہنمائی میں خودبخود برائی سے باز رہتا ہے کیونکہ انسان' اپنی فطرت میں خیر یا شر یا کوئی اور بنیادی وصف لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ اسی بنیاد پر فرائڈ نے کہا تھا "بچے کے پہلے پانچ سال مجھے دیدو آپ جس شخصیت میں چاہوگے میں اسے ڈھال دونگا" لیکن جو بات اس سے بھی زیادہ اہمیت کی تھی وہ فرائڈ بھی بھول گیا کہ بچے کو مطلوبہ شخصیت میں ڈھال کر اسے کہاں لے جائیں۔ جس بھی ماحول میں چھوڑیں گے وہ جیسا ماحول ہوگا بچہ اپنی شخصیت اس کے مطابق بنانے پر مجبور ہوگا مضمون کے شروع میں کہا گیا تھا کہ تعلیمات انسان کو برائی سے نہیں روک سکتیں۔ جب وہ برائی کرنا چاہتا ہے تو اس کا جواز وہ خود پیدا کر لیتا ہے بشرطیکہ اسے برائی کرنے کا اختیار ہو۔ یہ جنوری ۱۹۹۴ء ہے میری بات کی بہترین مثال اس وقت افغانستان کی صورت حال ہے ایک ہی مکتبہ فکر کے حامل چند گروہ جن کو برائی کرنے کا اختیار ہے اپنے ہی لوگوں کو مار رہے ہیں اور اپنے ہی دیس کے وسائل حیات تباہ کر رہے ہیں اپنے ہی ملک کے دارالخلافہ شہر کو کھنڈرات میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں انفرادیت غالب آنا چاہتی ہے جو اجتماعات کو تباہ کر رہی ہے کیونکہ وہاں وہ ماحول موجود ہی نہیں ہے جو انفرادیت کو برائی کرنے سے روک سکتا ہے اس لئے اگر ایسا ماحول (Circomstances) پیدا کیا جائے جس میں فرد اپنے اختیارات کو بے جا استعمال نہ کر سکے۔

Marfat.com

اوصاف خداوندی

روئے زمین پر انسانی سوسائٹی میں کچھ گروہ ایسے ہیں جو خدا کی ذات کے بارے میں خاموش ہیں ان میں سے کچھ کا خیال ہے کہ وہ خدا کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور کچھ کا خیال یہ ہے کہ اس کائنات کو کوئی ایک قوت کنٹرول نہیں کرتی بلکہ کئی قوتیں کام کر رہی ہیں بعض کا خیال ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب ثنویت کے تحت ہو رہا ہے لیکن جتنے بھی مکاتب فکر کسی ایک ذات واحد کو بطور خالق مطلق مانتے ہیں انہوں نے خالق مطلق کی ذات سے جو اوصاف منسوب کر رکھے ہیں جب ہم اپنے عقل و شعور کے تحت ان اوصاف کا جائزہ لیتے ہیں تو ایک طرف یہ کائنات ہے جو وسعت میں انسانی حوالے سے بے کراں ہے بلکہ ایک ایسا لا متناہی سلسلہ ہے جو عقل و شعور سے باہر ہے اور اگر اس کائنات میں انسان کی حیثیت کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو میرے خیال میں کائناتی حوالے سے اس یونیورس میں انسان کا کوئی فعل یا عمل دخل نہ کبھی تھا نہ ہے اور نہ کبھی ہو گا کیونکہ کائنات کے اندر یہ جو ہماری زمین ہے اس کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ یہ کائنات کا حصہ ہے لیکن یہ زمین کائنات کا اتنا چھوٹا حصہ ہے کہ فرض کریں یہ ختم ہو جائے' ریزہ ریزہ ہو جائے یا کسی اور Planet کے ساتھ مل جائے تو کائنات میں یا اس کے نظام میں کوئی فرق نہیں آئے گا وہ جیسی ہے ویسی ہی رہے گی۔ دوسری طرف وہ خالق کائنات جس نے اس بیکراں اور لامتناہی سلسلہ کائنات کو بنایا ہے وہ کتنی بڑی قوت ہے اور کس طرح ہے یا کس صورت حال میں ہے جب انسان اس کی بنائی ہوئی کائنات کے بارے میں صرف اتنا جان سکا ہے کہ اس کی تخلیق ہر اعتبار سے انسان کے عقل و شعور سے باہر ہے تو اس صورت حال میں انسان اس قابل کیسے ہو گیا کہ خدا کے بارے میں تفصیل کے ساتھ اس کے اوصاف سے آشنا ہو سکے۔ جیسے جیسے انسان کے علم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ویسے ویسے بندے اور خدا کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے جو اس بات کا

Marfat.com

ثبوت بنتا جا رہا ہے کہ خدا کی ذات کے بارے میں انسان کا علم ابھی تک صفر کے برابر ہے

اس صورت حال میں انسان کیلئے یہ غیر ممکن بات ہے کہ وہ ایک ایسی بے حدوحساب قوت کے بارے میں جان سکے۔ جس قوت' ذات اور ہستی کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ وہ ذات ہر جگہ موجود (Multipresent) ہے۔ انسانی ذہن میں جس خدا کا تصور ارتقا پذیر چلا آرہا ہے اس خدا کو جاننے کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کائنات کی مکمل وسعت انسان کی دسترس میں ہو' بالفاظ دیگر انسان تمام یونیورس میں جہاں چاہے وہاں موجود ہو سکتا ہو تو اس صورت میں اس کائنات کی تخلیقی قوت کے بارے میں غور کرنے کے قابل ہو سکے گا۔ جب تک انسان مذکورہ حد تک بااختیار نہیں ہوتا خدا کے بارے میں اس کا ہر دعوہ کوئی جواز نہیں رکھتا۔

Marfat.com

وحدت الوجود اور روح کا مسئلہ

وحدت الوجود اور روح کا نظریہ بہت پرانا ہے جس کے مطابق ایک ذات، جو اس کائنات کے وجود کا باعث ہے جس کی اپنی نمود کا جواز کوئی نہیں جانتا۔ اس ذات کا تصور انسان کے لئے ضروری سمجھا گیا جو ایک ان جانا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ فطری عمل کے ذریعے زندگی کی نمو انسانی شعور کیلئے تجسس کا سبب بنی ہوئی ہے اور یہ تجسس اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک منطقی اعتبار سے کسی علت اولی کے وجود، جوہر یا قوت کا تعین حرف آخر کی صورت میں سامنے نہ آجائے۔ یہی وہ اساس ہے جس پر فلاسفہ نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے مکتبۂ فکر کی تعمیر استوار کرنے کی کوشش کی۔ ان تمام نظریات میں سے ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ "اس پوری کائنات کا نظام جبر کے تحت چل رہا ہے اور کوئی چیز بھی اپنی خواہش کے مطابق حرکت نہیں کر سکتی انسانی اور حیوانی زندگی بھی اسی جبری اصول کے تحت گزر رہی ہے کیونکہ انسان اور حیوان جو کچھ کر رہے ہیں یہ سب ایسا کرنے پر مجبور ہیں"۔ اس خیال کی وسعت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کے تمام اجرام جن کو ہم اپنی زبان میں اجرام فلکی کہتے ہیں یہ ہماری زمین بھی ان میں شامل ہے اور اب تک کی معلومات کے مطابق ساری کی ساری کائنات اجرام فلکی پر ہی مشتمل ہے جو کہ نظریہ جبر کے تحت کسی نہ کسی شکل میں حرکت پذیر ہے اور یہ نظریہ انسانی شعور کے حوالے سے جزوی طور پر تمام نظریات سے اس لئے بہتر ہے کہ اصولی طور پر عقل انسانی اس سے کلیتاً اختلاف کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ جزوی طور پر میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اس ہمارے گلوب پر جو زندگی موجود ہے اس میں انسان جس اعتبار سے فعل مختار ہے اس اعتبار سے وہ جبر سے آزاد ہے کیونکہ میں یہ جو تحریر لکھ رہا ہوں چاہتوں تو لکھوں اور نہ چاہوں تو نہ لکھوں جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ انسان انسان کا استحصال کر رہا ہے اس حد تک وہ آزاد ہے اس پر کوئی جبر کی کیفیت نہیں ہے۔ انسانی شعور ارتقاء کی منازل طے کر رہا ہے کیونکہ وہ جبر سے آزاد ہے اور اسی انسانی شعور نے ہی مذکورہ

Marfat.com

افتراق سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ جہاں تک انسان کے علت اولیٰ کے تصور کا تعلق ہے اس پر بات کرنے سے پہلے میں چند نامور فلاسفہ کے نظریات کی مثالیں پیش کرنے کے بعد ان پر بحث کرونگا ملاحظہ کریں۔

قبل مسیح کے فلاسفہ کی خدا کے بارے میں آراء

(۱) سقراط (Socrates) "مجھے خدا کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ میں ہر جگہ ہر شخص کو ذہن نشین کرواؤں کہ سب سے مقدم فریضہ روح کی اصلاح و تشکیل ہے کیونکہ موت کے بعد روح ایک ایسای جگہ چلی جاتی ہے جہاں اسے ابدیت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲) دیمقراطیس (Democritus) "ہمارے اجسام جواہر کا مجموعہ ہوتے ہیں اور روحیں بھی لطیف جواہر سے وجود میں آتی ہیں۔ جب جواہر جسم میں کم ہو جاتے ہیں تو نیند کی حالت ہوتی ہے اور اگر تمام جواہر خارج ہو جائیں تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ جواہر جسم سے خارج ہو جائیں تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ جواہر جسم سے خارج ہو جائیں تو دوبارہ آپس میں مل نہیں سکتے اس لئے موت کے بعد کوئی حیات نہیں ہے"

(۳) افلاطون (Plato) افلاطون خدا کو خالق تصورات سمجھتا ہے اور اسے تصور خیر کہتا ہے "روح حقیقی شے ہے اس میں جو تصورات ہیں وہ روح نے کسی اور دنیا میں رہتے ہوئے حاصل کئے تھے اس دنیا میں زمان و مکان کی قید نہیں ہے' روح وجود سے نکل جانے کے بعد بھی موجود رہتی ہے کیونکہ روح حقیقی ہے۔

(۴) فلاطینوس (Plotinus) خدا مطلقاً" لامحدود ہے وہ اس قدر بلند ہے کہ اس کا تعارف ممکن نہیں اس سے کوئی صفت بھی منسوب نہیں کی جاسکتی اور اس کائنات کا مصدر بھی وہی ہے انسانی روح کے دو حصے ہیں ایک بلند ہے جس کا تعلق کائنات اور خیر سے ہے دوسرا حصہ زیریں ہے جس کا تعلق مادے سے ہے جو کہ شر اور فساد کا باعث ہے۔

Marfat.com

(۵) ارسطو (Aristotle) "خدا غیر متحرک محرک ہے وہ حقیقی ہے لیکن موجود نہیں ہے اس لئے اس کا حصول ممکن نہیں ہے۔ خدا کو کائنات سے کوئی دل چسپی نہیں ہے کیونکہ وہ غیر شخصی ہے۔ روح کے دو حصے ہیں ایک بلند ہے جو عقلی ہے دوسرا پست ہے جو غیر عقلی ہے"

(۶) ابیقور (Epicurus) ابیقور کے فلسفہ خدا اور روح کے بارے میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو جو ڈاکٹر نعیم احمد کی کتاب 'تاریخ فلسفہ یونان' سے لیا گیا ہے۔ ابیقور کہتا ہے "روح انسانی سالموں کے خاص نظم و ضبط کا نام ہے جب یہ نظم و ضبط ٹوٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے اگر روح کی اپنی ایک مستقل حیثیت ہو تو جسمانی کیفیتوں کی تبدیلی سے اسے قطعاً غیر متاثر رہنا چاہئے لیکن نیند' بیداری' اور بیہوشی کی حالتوں میں روح کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں۔ موت کے بعد انسانی وزن میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ موت کا خوف جہالت ہے۔ جب تک زندگی ہے موت نہیں آتی۔ لوگ موت سے خوفزدہ ہیں۔ جنت اور دوزخ کے نظریات' سزا اور جزا کے تصورات انہیں خوفزدہ رکھتے ہیں۔ اگر کائنات کا نظام چلانے والا ایک خیر اندیش اور انصاف پسند خدا ہے تو دنیا میں آفتیں اور مصیبتیں کیوں آتی ہیں۔ جب طوفان آتے ہیں زلزلے آتے ہیں اور قحط پڑتے ہیں تو تمام لوگوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جاتی ہیں اور نیک و بد کی خیر و شر کی تمیز کیوں ختم ہو جاتی ہے سیلابوں اور تباہ کاریوں سے صرف برے لوگ ہی کیوں متاثر نہیں ہوتے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کاروبار حیات میں اور کاروبار کائنات میں کسی حکیم یا دانا ہستی کی مشیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے"

(۷) فیساغورس (Pethagorus) "جسم روح کا مقبرا ہے جس سے روح آزاد ہو کر کسی دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے" وہ مسئلہ آواگون کا قائل تھا بہت بڑا ریاضی دان ہونے کے باوجود بہت بڑا توہم پرست آدمی تھا۔

جن سات فلاسفہ کے خیالات کا اوپر ذکر آیا ہے وہ تمام قبل مسیح میں ہو چکے تھے ذیل

Marfat.com

میں سولہویں صدی عیسوی میں اور اس کے بعد ہونے والے فلاسفہ کے نظریات دیئے جا رہے ہیں۔

(۸) ڈیکارٹ (Descartes) "خدا خالق کائنات ہے اور مختار کل ہے۔ انسانی روح جسم سے الگ چیز ہے جو فکر، شعور اور تصور کی حامل ہوتی ہے۔

(۹) اسپنوزا (Barukh Spinoza) "خدا اپنی صنعت کے اندر ہے اور اس کی صنعت اس کے اندر ہے وہ اپنے دائرہ فطرت سے باہر نہیں جاسکتا۔ وہ ایک ایسا جوہر ہے جو مطلقاً" لامتناہی ہے۔

(۱۰) جان لاک (John Locke) "خدا لامحدود قوت کا مالک ہے خیر اور علم اس کی صفات ہیں۔ ہم روح کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے"

(۱۱) برکلے (G. Berkeley) "انسان تمام اشیاء کا پیمانہ ہے۔ قادر مطلق کے تصور کے بغیر تمام انسانی اعمال و مساعی بے معنی ہیں"۔

(۱۲) کانٹ (Immanual Kant) "حقیقت مطلقہ انسانی شعور سے ماوراء ہے لیکن عقل عملی (وجدان) سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے"

(۱۳) ہیگل (G.W.F. Hagel) حقیقت مطلقہ ایک غیر منقسم وحدت ہے جو ہر آن ارتقاء پذیر ہے۔ روح کے بارے میں کہتا ہے کہ روح اپنے لئے خود ایک جسم تراشتی ہے اس وقت روح شعور سے عاری ہوتی ہے۔ وجود میں آنے کے بعد اپنے آپ کا شعور حاصل کرتی ہے یعنی خود کو وجود سے الگ ذات کی حیثیت سے پہچانتی ہے۔ انسانی روح بھی حیوانی روح کی طرح ہے۔

تبصرہ = سقراط نے کہا کہ اسے خدا کی طرف سے یہ یہ کرنے کا حکم ملا ہے جبکہ وہ جو کچھ بھی کہنا چاہتا تھا یا جو کچھ وہ کہتا رہتا تھا وہ سب کچھ کسی بھی غیبی آواز کے ذریعے یا کسی غیبی قوت کی طرف سے نہیں تھا بلکہ وہ سب کچھ اس کے اپنے اندر ہی سے اسے رہنمائی ملتی تھی اس کی تمام تعلیمات انسانی سوسائیٹی کیلئے مفید ضرور تھیں لیکن

Marfat.com

یہ کہہ کر اس نے انسان کو گمراہ کیا کہ اسے کوئی غیبی قوت ہدایات دیتی تھی یہ نظریہ سقراط کو اپنے اسلاف سے ملا تھا اس کو پورا یقین تھا کہ جو بات کسی غیبی قوت سے منسوب کر کے کہی جائے عوام الناس اس بات کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں دوسری بات اس نے یہ کہی کہ روحیں موت کے بعد ایسی جگہ چلی جاتی ہیں جہاں ان کو ابدیت حاصل ہو جاتی ہے جبکہ یہ بات اس کے علم میں تھی کہ اگر اس کو اپنی بات ثابت کرنا پڑتی تو سوائے بغلیں جھانکنے کے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن چونکہ یہ نظریہ پہلے سے موجود تھا اس لئے اسے اس کے استعمال میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی۔

۲ دیمقراطیس اور لیوسی پس کا خیال ہے کہ ہمارے اجسام جواہر کا مجموعہ ہوتے ہیں اور روح بھی لطیف جواہر سے وجود میں آتی ہے اگر کچھ جواہر بدن میں سے کم ہو جائیں تو نیند کی کیفیت ہوتی ہے اور اگر تمام جواہر بدن سے نکل جائیں تو موت واقع ہو جاتی ہے اس نظریئے پر زیادہ بحث کی گنجائش اس لئے نہیں ہے کہ ان فلاسفہ نے اس لیبارٹری کا تو ذکر ہی نہیں کیا جس میں یہ تجربہ کر کے نتیجہ اخذ کیا گیا تھا البتہ ان کی اس بات پر غور کیا جاسکتا ہے کہ موت کے بعد کوئی اور زندگی نہیں ہے۔

۳ افلاطون کہتا ہے کہ انسان کی روح اس کے وجود میں داخل ہونے سے پہلے کسی اور دنیا میں تھی جہاں سے اس نے جو کچھ سیکھا وہی کچھ وہ کسی وجود میں داخل ہونے کے بعد تمام زندگی کرتی رہتی ہے اور وہ وجود سے نکل جانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے کیونکہ روح حقیقی شے ہے' افلاطون نے سقراط کی صحبت میں رہ کر اس کے نظریات سے فیض حاصل کیا اور تمام زندگی جمہوری نظریات کا ہی پرچار کرتا رہا اور اس میدان میں بہت ساری تکالیف بھی اٹھائیں لیکن تھوڑے بہت فرق کے ساتھ سقراط سے آگے نکلنے کی کوشش میں انسانی روح کے بارے میں اپنے الگ نظریات وضع کئے اور ان کا پرچار کیا اور اپنے سے پہلے فلاسفہ سے بڑھ کر اپنی دکان چمکانے کی کوشش کی حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ انسانی روح کسی وجود میں داخل ہونے سے پہلے کسی اور دنیا سے کوئی علم حاصل کر چکی ہوتی ہے بلکہ اس کے پاس ایسا بھی کوئی ثبوت نہیں تھا کہ روح اور چیز ہے

Marfat.com

اور جسم اور چیز ہے جو نظریات گزشتہ وقت سے چلے آرہے تھے ان میں رد و بدل کر کے اپنا الگ نظریہ بنا لیا گیا تھا۔

۴ فلا طینوس خدا کے بارے میں کہتا ہے کہ خدا مطلقاً" لامحدود ہے اور اس قدر بلند ہے کہ اس کا انسانی زبان میں تعارف کروانا بھی ممکن نہیں کیونکہ ہم اس سے کوئی وصف یا کوئی صفت بھی منسوب نہیں کر سکتے۔ گویا ہم اس کے بارے میں جانتے ہی نہیں ہیں۔ لیکن فلا طینوس یہ بھی کہہ رہا ہے کہ وہی ذات احد ساری کائنات کا مصدر بھی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا فلاسفر جس ہستی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اس کے بارے میں جانتا بھی ہے انسانی فطرت میں یہ بھی ایک بات ہے کہ آدمی جتنا جانتا ہے اس میں کچھ اضافہ کر کے بتائیگا خاص طور پر ان باتوں کے بارے میں جن کے متعلق اسے پتہ ہو کہ کسی بھی قسم کی کوئی تصدیق یا تردید نہیں ہو سکتی۔ اسی رعائیت سے فلا طینوس نے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

فلا طینوس کا خیال ہے کہ روح دو حصوں پر مشتمل ہے ایک حصہ بلند ہے جس کا تعلق خیر سے ہے اور دوسرا حصہ زیریں ہے جس کا تعلق شر سے ہے۔ فلا طینوس نے بھی اپنی اہمیت جتانے کیلئے کسی اور فلاسفر سے متاثر ہو کر یہ بات کہی تھی اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ روح کے دو حصے ہو سکتے ہیں تو آج یہ مسئلہ مزید الجھ کے رہ جائیگا کیونکہ ایک مکتبہ فکر کا جو خیر ہے وہ دوسرے مکتبہ فکر کا شر ہو سکتا ہے اور یہی حالت شر کی ہے اس لئے یہ ایک غیر ذمہ دارانہ بات ہے جس میں کوئی منطق نظر نہیں آتی۔ کہ روح دو حصوں خیر اور شر پر مشتمل ہے۔

۵ ارسطو کا خیال ہے کہ "خدا حرکت نہیں کرتا لیکن حرکت کی قدرت رکھتا ہے اور وہ موجود ہونے کی حالت میں بھی نہیں ہے اس لئے اس کا حصول ممکن نہیں ہے اور چونکہ وہ شخصی حالت میں بھی نہیں ہے اس لئے اسے کائنات سے کوئی دل چسپی نہیں ہے" ارسطو کی سٹیٹمنٹ سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح اس نے انسانی زندگی اور اشیاء کے بارے میں تجربات کئے تھے اور کئی نتائج حاصل کئے ہونگے عین اسی طرح اس نے خدا کے بارے میں بھی تجربات کئے ان سے نتائج نکالے اور

پھر ان پر غور و فکر کرنے کے بعد اعلان کیا کہ خدا اس طرح کی چیز ہے آپ نے دیکھا کہ یہ شخص خدا کے بارے میں اس قدر دعوے سے بات کر رہا ہے جیسے اس نے خدا کو خود بنایا ہو حالانکہ خدا کے بارے میں جو نظریہ پہلے سے چلا آرہا تھا اس میں اس نے اپنی ذہانت کے زور پر گزشتہ فلاسفہ کے مقابلے میں خدا کی Definition بڑی طاقتور بنانے کی کوشش کی ہے کیونکہ وہ اپنے وقت میں دنیا کے طاقتور آدمی (بادشاہ) کا استاد اور درباری تھا اور اس کو یہ زعم تھا کہ وہ اپنے وقت کی بہت بڑی ادبی علوم اور فلسفے کی مستند شخصیت تھا اس لئے وہ جو کچھ لکھ جائیگا اسے کوئی جھٹلا نہیں سکے گا جبکہ وہ اپنے سے پہلے ہونے والے فلاسفہ سے فلسفیانہ فکر کے اعتبار سے کسی بھی لحاظ سے بہتر نہیں تھا جو کچھ اس سے پہلے ہونے والے فلاسفہ خدا اور کائنات کے بارے میں کہتے چلے آرہے تھے ارسطو بھی ان میں سے ایک تھا۔

ارسطو روح کے بارے میں بھی کوئی الگ نظریہ پیش نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ روح دو حصوں پر مشتمل ہے ایک حصہ عقلی ہے اور دوسرا غیر عقلی ہے۔ پہلا حصہ بلند مرتبہ رکھتا ہے جبکہ دوسرا حصہ زیریں ہے۔ جس کی حیثیت ناقص ہے۔

۶ ابیقور کا نظریہ کیا ہے آپ اوپر اقتباس کی صورت میں اسے دیکھ چکے ہیں اقتباس میں جن واقعات کے رونما ہونے کا ذکر ہے وہ تمام واقعات ہر ذی شعور کیلئے دعوت فکر و خیال ہیں کہ آخر نیند کی حالت میں روحیں کس کیفیت میں ہوتی ہیں بیہوشی کی حالت میں کس کیفیت میں ہوتی ہیں۔ بیہوشی کی حالت میں روحوں کو کیا ہو جاتا ہے کیونکہ روح کا اگر وجود سے کوئی تعلق نہیں ہے تو روح کو اپنی اصلی حالت میں لازماً" رہنا چاہیئے۔ انسانی جسم کے بارے میں کئی طرح کی معلومات ہمارے پاس ہیں جن کے تحت اس پر سردی گرمی' خوشی' غمی نشہ ' خوراک اور ادویات وغیرہ کے اثرات کیا کیا کیفیات مرتب کرتے ہیں اور ان تمام اشیاء کا فطری عمل کے ذریعے وجود سے کیا تعلق بنتا ہے اور کس طرح یہ تمام اشیاء وجود کو متاثر کرتی ہیں میڈیکل سائنس نے انسانی وجود کی کارکردگی کا تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ بدن پر چوٹ لگنے کی صورت میں پٹھے اور نہایت باریک ریشے کس طرح پیغام رسانی کرتے ہیں اور بتاتے

Marfat.com

ہیں کہ کہاں درد کا احساس ہو رہا ہے یہ سارا کام وجود بذات خود سرانجام دیتا ہے اس میں روح کہیں بھی کسی قسم کا کوئی کام سرانجام دیتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ ایک طرف یہ تمام دلائل ہمیں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں لیکن دوسری طرف لاکھوں سال پرانا اندھا عقیدہ اپنی حدود عبور کرنے کی ہمیں اجازت نہیں دیتا۔

۷ **فیثا غورس** کہتا ہے کہ جسم کی حیثیت قید خانے کی ہے جس میں روح قید ہے اگر مخصوص مذہبی قوائد و ضوابط پر عمل نہ کیا جائے تو روح ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے اور پھر کسی اور جسم میں منتقل ہو جاتی ہے اس کے عقیدے سے جو بات واضح ہے وہ یہ ہے کہ وہ روح کو جسم سے الگ کوئی چیز خیال کرتا ہے۔ فیثا غورث حساب کے شعبے میں نہائت اعلیٰ ذہنی صلاحیت کا مالک تھا اور اس نے اس شعبے میں ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں لیکن دوسری طرف اس قدر توہم پرست تھا کہ اسے دانشور کہنا دانشمندی کی توہین کا احساس ہوتا ہے وہم پرستی کے بارے میں جو باتیں اس سے منسوب کی گئی ہیں ان پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ اتنا بڑا ریاضی دان توہم پرست کیسے ہو سکتا ہے لیکن چونکہ فیثا غورس کی طرف سے ان الزامات کی تردید کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے کہنا پڑے گا کہ رسومات پرستی وغیرہ اس مکتبہ فکر کے اعمال میں شامل تھی۔

فیثا غورس کا زمانہ ۵۵۰ پانچسو پچاس قبل مسیح ہے۔ اس کے دو ہزار سال بعد کا زمانہ آچکا ہے آیئے دیکھیں ان دو ہزار سال میں فلسفے نے کتنی ترقی کی ہے یا کہ مزید انحطاط کا شکار ہوا ہے انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے حوالے سے دیکھاجائے تو کئی اعتبار سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ انسان سوچ کے اعتبار سے آگے بڑھ رہا ہے کیونکہ عام تاثر یہی ملتا ہے کہ تمام شعبوں میں پیش رفت ہو رہی ہے ویسے یہ تاثر غلط بھی ہو سکتا ہے۔

۸ **ڈیکارٹ** فیثا غورس کے دو ہزار سال بعد پیدا ہونے والا فلاسفر کہتا ہے خدا خالق کائنات ہے اور مختار کل ہے مطلب یہ ہوا کہ اتنا طویل عرصہ گزر جانے پر بھی فلسفہ اسی مقام پر کھڑا ہے جہاں دو ہزار سال پہلے کھڑا تھا اور ڈیکارٹ روح کے

Marfat.com

بارے میں کہتا ہے کہ روح جسم سے الگ کوئی چیز ہے جو فکر و شعور اور تصور کی حامل ہوتی ہے گویا مذکورہ اوصاف انسانی وجود میں اس لئے موجود ہوتے ہیں کہ اس میں روح موجود ہوتی ہے لہٰذا روح کے بارے میں بھی دو ہزار سال کے بعد نظریہ وہیں کا وہیں ہے کہ کسی تبدیلی کا امکان پیدا نہیں ہوا۔

۹ اسپنوزا کا خیال ہے کہ خدا پوری کائنات کے اندر اس طرح موجود ہے جس طرح جسم کے اندر جان موجود ہوتی ہے۔ اور چونکہ جان کے نکل جانے کی صورت میں جسم مردہ ہو جاتا ہے اس لئے خدا کی حیثیت کائنات کی جان کی ہے خدا کائنات سے الگ ہو ہی نہیں سکتا اس لئے اسپوزا کا کہنا ہے کہ خدا اپنی صفات کے اندر ہے اور اس کی صفت اس کے اندر ہے گویا پوری کائنات ایک وجود ہے جو کہ زندہ ہے اور اس وجود کے زندہ رہنے کا باعث جو جوہر ہے وہ خدا ہے۔ اسپنوزا ارسطو سے متاثر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے کہا تھا خدا شخصی حالت میں نہیں ہے اس لئے خدا کو کائنات میں کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ ان دونوں فلاسفہ کی خدا کے بارے میں جو آرا ہیں ان میں ایک بات میں مماثلت ہے کہ چونکہ خدا شخصی حالت میں نہیں ہے اور خدا کائنات کی روح ہے اس لئے اس کا حصول غیر ممکن ہے۔ جس طرح انسان اپنی روح کے بارے میں صدیوں سے معلوم کرنے میں سرگرداں ہے لیکن آج تک اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی اسی طرح جس چیز کو روح کائنات کہا جائے اس کے حصول کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۰ جان لاک لاک کہتا ہے خدا لامحدود قوت کا مالک ہے خیر اور علم اس کی صفات ہیں۔ روح کے بارے میں وہ لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ لاک کے بیان کردہ خدا کے اوصاف دیکھتے ہی ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا لامحدود قوت کا مالک ہے اور خیر اس کا وصف ہے۔ ایسی صورت حال میں یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ لا محدود قوت اور خیر کا وصف رکھنے والی ذات کی موجودگی میں شر کیوں موجود ہے؟ اس موضوع پر بہت طویل بحث تو ہو سکتی ہے لیکن اس سے حاصل کچھ نہیں ہوگا اس لئے مختصراً" یہ کہنا ہی بہتر ہوگا کہ خیر اور شر کی تفاوت پیدا کرنے میں صرف اور صرف

Marfat.com

انسانی ذہن ہی کام کر رہا ہے اس کام میں کوئی آفاقی قوت کسی بھی صورت میں شامل نہیں ہے۔ لہٰذا انسانی حوالے سے خیر اور شر کی جو تعریف ہو سکتی ہے کائناتی حوالے سے اس کی تعریف مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ لاک نے روح کے بارے میں جو اظہار کیا ہے وہ معقولیت پر مبنی ہے کیونکہ جس چیز کے بارے میں حتمی نتیجہ یا نتائج سامنے نہ آجائیں اس کے بارے میں دیکھا دیکھی بیان بازی کرنا میرے خیال میں ہرزہ سرائی کی زد میں آتا ہے کسی بھی بات کے بارے میں جستجو کرنا انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور یہ عمل کبھی رک نہیں سکتا۔ انسانی روح کا مسئلہ روز اول سے متنازعہ چلا آرہا ہے۔ تمام فلاسفہ اور سائنس دان اس مسئلہ کے تجسس میں ہیں اس لئے جو دانشور متنازعہ مسئلہ کے سلسلے میں خاموشی اختیار کرے یا لاعلمی کا اظہار کرے اس کی رائے غیر جانبدارانہ زمرے میں آتی ہیں جو کہ میرے خیال میں ایک اعزاز ہے۔

■ برکلے جارج برکلے کا خیال ہے "انسان تمام اشیاء کا پیمانہ ہے اور قادر مطلق کے تصور کے بغیر تمام انسانی اعمال و مساعی بے معنی ہیں" برکلے کے یہ دونوں فقرے ایک دوسرے کی ضد ہیں اگر انسان ہر چیز کا پیمانہ ہے تو پھر خدا یا روح کل کا تو ذکر بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے انسان کا وجود اور اس کے الفاظ حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اب اس کے بعد یہ کہنا کہ خدا کا تصور بھی ضروری ہے اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ خدا کا تصور صرف تسلیم کرنے کیلئے ہے باقی انسان جو چاہے کرے اسے کوئی روک ٹوک نہیں ہے میرے خیال میں برکلے کو فلاسفر نہیں کہنا چاہئے بلکہ وہ ایک مذہبی شخصیت ضرور تھا اور چونکہ تمام مذاہب کی سوچ اور منطق ہی الگ ہے اس لئے مذاہب' فلسفہ اور سائنس کو یک جا کرنے سے انسان کیلئے ذہنی انتشار تو پیدا ہو سکتا ہے ذہنی ہم آہنگی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ انسانی فکر اور سائنس ایک سیدھی پگڈنڈی پر سفر کرتے ہیں جب کہ تمام مذاہب کے راستے میں ہزاروں موڑ (Zigzag) آتے ہیں مثال کے طور پر انسانی ذہن کا زندگی اور کائنات کے بارے میں غور کرنا فلسفہ ہے جس کی حیثیت قیاس (Theory) کی ہے اور اس کی عملی (Practical) صورت سائنس ہے جبکہ مذہبی قواعد و ضوابط کے خلاف ذہن کو سوچنے کی اجازت

نہیں ہے بلکہ صرف قوائد و ضوابط پر عمل پیرا رہنے کا حکم ہے اور ذہن انسان کے پاس ایک جستجو کرنے والی مشین ہے جس پر انسان نہ سوچنے یا فلاں حد تک سوچنے کی پابندی عائد نہیں کر سکتا اس لئے مذاہب کے راستے دن بدن پر پیچ اور کٹھن ہوتے جا رہے ہیں۔

۲ کانٹ کا خیال ہے کہ "حقیقت مطلقہ انسان کی عقل محض سے ماورا ہے البتہ عقل عملی (وجدان) سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے" کانٹ نے تمام زندگی درس و تدریس میں گزاری اور اس کی زندگی میں باقی مضامین کے علاوہ فلسفے کو بہت زیادہ اہمیت حاصل رہی لیکن خدا کے بارے میں اس کی معلومات کا نچوڑ یہ ہے کہ خدا انسانی عقل و فکر سے ماورا ہے کانٹ نے انسانی عقل کو دو درجوں میں بانٹ کر ایک کا نام عقل محض رکھا اور دوسری کا عقل عملی (وجدان) رکھا اور پھر کہا کہ عقل کے استعمال سے ہم حقیقت مطلقہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے لیکن عقل عملی کے استعمال سے ہم اخلاقی اور مذہبی زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ قانون کا سرچشمہ نہ تو احکام خداوندی ہیں اور نہ ہی کسی مقتدر اعلیٰ کے فرامین ہیں بلکہ قانون کا منبع ومصدر صرف عقلی ارادہ ہے۔ کانٹ اٹھارویں صدی کا فلاسفر ہے جس کو گزشتہ انسانی علوم اور تجربہ سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا جس کی طویل سرگزشت اس کے سامنے تھی یہی وجہ ہے کہ اس کی رائے منطقی اعتبار سے حقائق کے قریب معلوم ہوتی ہے۔

۳ ہیگل :۔ ہیگل کے نزدیک حقیقت مطلقہ ایک غیر منقسم وحدت ہے جو ہر آن ارتقاء پذیر ہے غالباً ہیگل یہ کہنا چاہتا ہے کہ یونیورس ہی حقیقت مطلقہ ہے جو ہر آن ارتقائی عمل میں سے گزر رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ قوت جو پوری کائنات کو چلا رہی ہے بذات خود بھی ارتقائی منازل طے کر رہی ہے اس عمل کا آغاز کیا تھا اور انجام کس شکل میں سامنے آئیگا اس بات کا علم ہمیں اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس پراجیکٹ کو شروع کرنے والا ہیگل اب ہمارے درمیان نہیں ہے لیکن یہ خیال خام خوش ہونے والا ضرور ہے کہ اگر انسان **Protoplasm** سے ارتقاء کر کے

Marfat.com

موجودہ سٹیج پر آسکتا ہے تو حقیقت مطلقہ بھی اگر اسی پراسیس میں سے گزر رہی ہے تو یقیناً ایک دن وہ بھی آسکتا ہے جب ہم اس سے ہم کلام ہو سکیں گے۔ ہیگل روح کے بارے میں کہتا ہے کہ انسانی روح شروع میں شعوری کیفیت سے بے بہرا ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اپنے لئے کسی وجود کا انتخاب خود کرتی ہے اور وجود میں آنے کے بعد پہلے اپنی ذات کا شعور حاصل کرتی ہے اور خود کو وجود سے الگ ذات کے طور پر پہچانتی ہے ہیگل کا روح کے بارے میں جو تصور ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ روح وجود میں آنے سے پہلے کسی قسم کا کوئی شعور نہیں رکھتی بلکہ وجود میں آنے کے بعد وہ اپنی شعوری منازل طے کرتی ہے اور اس کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی تصور وہ خدا کی ذات کے بارے میں رکھتا ہے اس کی نظر میں خدا کی ذات ہے تو غیر منقسم وحدت لیکن ابھی ارتقائی مراحل میں ہے جو کہ لامتناہی سلسلہ ہے۔ لیکن روح کو وہ جسم کے ساتھ فنا ہونے والی چیز کہتا ہے۔

میں نے مذکورہ بالا فلاسفہ کی خدا اور روح کے بارے میں آراء نقل کرنے کے بعد تبصرانہ انداز میں بھی ان کا ذکر کیا ہے ماضی کے فلاسفہ کی تعداد تو بہت بڑی ہے میں نے صرف چند فلاسفہ کے خیالات و نظریات کا مثال کے طور پر ذکر کیا ہے تاکہ آج تک کے فلسفیانہ نظریات خدا اور روح کے بارے میں معلوم ہو سکیں۔ اب تک جتنے بھی فلاسفہ ہو گزرے ہیں انہوں نے انسانی برادری کے لئے بلاشبہ اپنے اپنے وقت میں جو جو خدمات سرانجام دی تھیں اور اب تک دے رہے ہیں وہ سب قابل تعریف ہیں میں تہ دل سے ان کا احترام کرتا ہوں اور ان کو ہدیہ تحسین پیش کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے زیر بحث موضوع سے ہٹ کر ہر حالت میں اپنے اپنے شعبوں میں انسانی زندگی کے لئے بہت کچھ Contribute کیا جس کیلئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ انہوں نے ہماری مادی زندگی کیلئے جو کچھ بھی کیا یہ ان کے صاحب علم و گنی ہونے کا ثبوت تو ہے ہی لیکن ان کے ایسا کرنے کا جواز بھی سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مادی زندگی کے بارے میں کوئی نظریہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ فوراً" تنقید کی زد میں آجاتا ہے اور اس پر خوب بحث ہوتی ہے اور کئی طرح سے اس کی چھان پھٹک ہوتی

Marfat.com

ہے اور بعض اوقات اس کو کچھ ترامیم کے بعد ایک اصول کے طور پر تسلیم کرلیا جاتا ہے جو انسانوں کے کام آتا رہتا ہے لیکن جب کوئی نظریہ یا اصول اس سے بہتر آجاتا ہے تو وہ اس کی جگہ لے لیتا ہے اور کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا لیکن خدا اور روح کے بارے میں جس بحث کی ضرورت ہے آیئے اس کا آغاز کرتے ہیں۔

مادی زندگی کا تصور:۔ ماضی بعید میں فلاسفہ نے معروضی بنیادوں پر فلسفے کی عمارت تعمیر کرنا شروع کی تھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت اس کے سوا اور کوئی چارہ کار تھا ہی نہیں۔ کیونکہ انسان نے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں تمام تصورات کی بنیاد معروضی خطوط پر ہی استوار کرنا شروع کی تھی اسی زمانے سے ہی انسان اپنے دو تصورات کے تابع جدوجہد کر رہا ہے ایک تصور انسان کی مادی زندگی کا ہے اور دوسرا روحانی زندگی (مابعد الطبیعات) کا ہے۔ اس سلسلے میں جن تصورات کا مکمل طور پر انسان کی مادی زندگی سے تعلق ہے ان میں وہ وقت کے ساتھ ساتھ ردو بدل کرتا چلا آرہا ہے اور نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ہماری مادی زندگی میں آئے دن نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں اور بے شمار رازہائے پنہاں کا انکشاف ہو رہا ہے جن کے ذریعے ایک طرف انسانی زندگی میں سہولتوں کا انقلاب آگیا ہے اور دوسری طرف انسانی وجود (Anatomy) میں حسن و جمال پیدا ہوا ہے جب کہ روئے زمین کو بھی گل و گلزار بنایا جا رہا ہے یہ سب کچھ اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ اس کام کے راستے میں اب ماضی جیسی رکاوٹیں پیدا نہیں کی جا رہی ہیں حالانکہ ماضی میں تو کسی بھی طرح کی ایجاد کو گناہ قرار دیا جاتا تھا۔ گلیلو نے اونچائی سے مختلف وزن کے دو پتھر گرا کر جو نظریہ پیش کیا اس کو اس وقت کے ارباب بست و کشاد نے اپنے لئے کسی آنے والے خطرے کا باعث سمجھ کر گلیلو کو سرزنش کی اور آئندہ ایسا کوئی کام کرنے سے منع کر دیا لیکن آج کا انسان مادی زندگی کے بارے میں پریشان کم ہے اور اس کی جدوجہد میں مصروف زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ اب وقوف اور وثوق کی طرف بڑھ رہا ہے جبکہ وہ اپنی روحانی زندگی کے بارے میں مسلسل تذبذب میں چلا آرہا ہے کیونکہ روحانیات کیلئے زیادہ تر انسان مذاہب کی طرف رجوع کرتا ہے اور مذاہب سے جو اسے رہنمائی

Marfat.com

ملتی ہے وہ اس کے عقل و شعور سے ماورا ہوتی ہے۔ اور پھر دنیا کے تمام مذاہب ایک مخصوص حد تک عقل و شعور کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں جبکہ انسانی ذہن کو آزادانہ طور پر کام کرنے سے روکا نہیں جا سکتا کیونکہ انسانی ذہن کی فطرت میں غور و فکر کرنا ہے آپ نے دیکھا کہ انسان کی آج کی مادی زندگی اس کی قبل مسیح کی زندگی سے کتنی مختلف ہے اس اختلاف کو ہم ترقی کا نام دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس وقت کی مادی زندگی سے یہ مادی زندگی اس لئے بہتر ہے کہ اس میں سہولتیں زیادہ ہیں یہ سہولتیں اور آرام و آسائش ہماری زندگی میں اس لئے در آئی ہیں کہ ان کے راستے میں تھوڑی بہت مزاحمت ضرور ہے لیکن کوئی منظم قوت جنگ و جدل کے ذریعے ان کا راستہ نہیں روک رہی ہے اب یہ جو سائنسی ایجادات بڑی تیزی سے سامنے آرہی ہیں اس کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ انسان جس بات میں اپنا انفرادی اور اجتماعی فائدہ دیکھتا ہے اس بات کی مخالفت نہیں کرتا۔ اب یہ بات انسان پر واضح ہو گئی ہے کہ روزمرہ کی نئی نئی سائنسی ایجادات اس کے فائدے کی چیزیں ہیں اس لئے رجعت پسند طبقہ بھی کم مزاحمت کرتا ہے اور یہ جو معلومات کا سلسلہ چل نکلا ہے اس نے یونیورس کے متعلق تجربے کی حد تک مختلف حقائق کا انکشاف کیا ہے اور اس کا اعجاز یہ ہے کہ ہزاروں قسم کے توہمات خود بخود ختم ہوتے جا رہے ہیں۔

روحانی زندگی کا تصور:۔ انسان روز اول سے ہی انجانے سفر پر رواں دواں ہے اب تک جو کچھ وہ جان سکا ہے اس پر نازاں ہونے کے باوجود یہ جاننے کیلئے بے حد پریشان ہے کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں چلا جاتا ہے آنے کے بعد کیوں چلا جاتا ہے اس کو دوام حاصل کیوں نہیں ہوتا موت کیا چیز ہے اور موت کے بعد کیا صورت حال ہے یہ کائنات کیا ہے اس کو کس نے بنایا ہے وہ کوئی وجود ہے یا کوئی قوت ہے اور وہ کس صورت حال میں ہے انسانی ذہن ابھی تک اس ادھیڑ بن کا شکار ہے کیونکہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی مابعد الطبیعات کے بارے میں بتایا جاتا ہے وہ سب کا سب انسان کے عقل و شعور سے ماوراء ہے اس لئے وہ سب کچھ انسانی ذہن کے اطمینان کا باعث کیسے ہو سکتا ہے۔ اب جو بات میں کہنے والا ہوں وہ میرے جیسے غیر معروف

Marfat.com

انسان کیلئے بہت ہی مشکل ہے لیکن یہ بات بھی میرے علم میں ہے کہ معروف ہونا ایک بات ہے اور مظاہر فطرت اور پنہائے فطرت پر غور و فکر کرنا دوسری بات ہے۔ شروع زمانے میں انسان نے اپنی مادی زندگی گزارنے کیلئے کچھ اصول وضع کئے تھے جن میں وہ آج تک ترامیم کرتا چلا آرہا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا کیونکہ ایسا کرنا اس کی ضرورت ہے جہاں تک اس کی روحانی زندگی کا تعلق ہے اس کے بارے میں انسان کی ابتدائی زندگی میں جو تصورات متعارف کروائے گئے تھے ان کو وضع کرنے میں انسان نے اس لئے عجلت سے کام لیا تھا کہ اس کو اپنے ہونے کا جواز چاہئے تھا جس کے لئے اس ابتدائی انسان نے ایک ایسی ہستی کو تلاش کر لیا جس نے نہ صرف انسان کو پیدا کیا تھا بلکہ اس پوری کائنات کو بھی بنایا تھا پھر اس نے اپنے ان ساتھیوں پر غور کیا جو مر جاتے تھے تو اس کو خیال آیا کہ وہ جب زندہ تھے تو بولتے تھے اور اب مٹی کا ڈھیر ہو گئے ہیں تو اس نے اس بات پر غور کیا ہو گا کہ مرنے والوں کے وجود میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی کیونکہ ان کے تمام اعضاء درست حالت میں تھے پھر آخر کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ وہ خاموش ہو گئے تھے اور بولتے نہیں تھے تو اس ساری صورت حال سے اس وقت کا انسان اس نتیجے پر پہنچا ہو گا کہ مرنے والوں کے جسم سے کوئی چیز نکل گئی ہو گی جو بولنے اور چلنے پھرنے میں اس کو مدد دیتی تھی اس طرح یہ ایک نظریہ قائم کر لیا گیا کہ جو انسان مرجاتا ہے اس کے جسم سے کوئی چیز نکل جاتی ہے اور وہ چلنے پھرنے اور بولنے کے قابل نہیں رہتا یہ ایک ایسی بات تھی' ہے اور رہے گی جس کی تصدیق انسان کے بس میں نہیں ہے کہ انسان کے وجود سے کیا چیز نکل جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس چیز کا نام مختلف زبانوں میں ہوا یا بخارات جیسی شے رکھا گیا یہ نام ظاہر ہے اس وقت کے دانشور حضرات اور صاحب علم و آگہی نے ہی تجویز کیا ہو گا اور جب یہ فیصلہ کر لیا گیا ہو گا کہ انسان کے وجود سے چلنے پھرنے اور بولنے والی چیز نکل جائے تو وہ بے کار ہو جاتا ہے تو کچھ نے اسے مٹی میں دبا دیا اور کچھ لوگوں نے اسے نذر آتش کرنا شروع کر دیا ہو گا یہ دونوں طریقے آج بھی رائج چلے آرہے ہیں عین ممکن ہے کچھ طبقے اس وقت مردے کو دریا برد کر دیتے ہونگے

Marfat.com

لیکن جب یہ نظریہ تسلیم کر لیا گیا ہوگا کہ انسان کے وجود سے کوئی چیز نکل جاتی ہے تو اگلا مرحلہ یہ سامنے آیا ہوگا کہ جو شے انسان کے وجود سے نکل جاتی ہے وہ کہاں چلی جاتی ہے یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ انسان نے پہلے خدا کا تصور حاصل کیا ہوگا یا انسانی روح کا تو غالب امکان اسی بات کا ہے کہ پہلے روح کا تصور حاصل کیا گیا ہوگا کیونکہ یہ انسان کی روزمرہ زندگی میں قریب ترین واقع تھا جس سے اسے آئے دن واسطہ رہتا تھا۔ خدا کا تصور اس لئے بھی بعد کا پیدا شدہ لگتا ہے کہ ابتدا میں تو دیو مالائی تصور نے غلبہ حاصل کر لیا تھا جس کے تحت مختلف قوتیں ساری کائنات کو کنٹرول کرتی تھیں اس لئے خدا کا تصور آخر میں قائم کیا گیا ہوگا اور خدا کو حرف آخر کے طور پر متعارف کروایا گیا ہوگا تاکہ یہ سوال پیدا نہ ہوسکے کہ خدا کو کس نے پیدا کیا انسان نے اپنی ذہنی صلاحیت کے استعمال سے یہ نظریہ اپنایا کہ خدا ایک ایسی قوت ہے جو ہر شے کی علت ہے لیکن اس کی کوئی علت نہیں۔ اس طرح اس مسئلے کو ہمیشہ کیلئے حل کر لیا گیا۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کو بعد میں پیدا ہونے والے تمام مذاہب نے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اپنے اپنے نظریات کی اساس بنایا مثال کے طور پر

ہندو مائی تھالوجی کے چار بنیادی اصول یہ ہیں۔

۱۔ کائنات برہمن (وجود مطلق) میں سے نکلی ہے اور فنا ہو کر پھر اس میں شامل ہو جائے گی۔

۲۔ مادہ غیر حقیقی ہے اور ظاہری کثرت ہماری نظروں کا دھوکا ہے۔

۳۔ برائی کائنات کے خمیر میں شامل ہے جو آواگون' سنسار چکر اور انسان کے دکھوں کا باعث ہے۔

۴۔ انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ روح کو مادے کی آلائش سے پاک کر کے پھر سے برہمن میں شامل کر دیا جائے جس میں سے یہ عارضی طور پر الگ ہوا ہے جیسے بہتے ہوئے دریا سمندر میں شامل ہو جاتے ہیں

پہلا اصول یونانی فلسفے کے عین مطابق ہے جس کے تحت ہم اسے وحدت الوجود کا نظریہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ یونانی فلسفے کی ابتدا میں ہی خدا اور روح کو الگ

Marfat.com

الگ دو ہستیوں کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا دوسرا اصول پہلے کی تصدیق کر رہا ہے کہ خدا نظر نہیں آتا لیکن ہے روح نظر نہیں آتی لیکن ہے اور یہ دونوں ہیں بھی مستقل حالت میں یعنی ہمیشہ رہنے والی اور چونکہ انسان کا وجود ہمیشہ نہیں رہتا لیکن نظر آتا ہے اس لئے انسان کو اپنی منطق کو درست ثابت کرنے کے لئے مادے کو فانی اور نظر کا دھوکا کہنا پڑا کیونکہ فلسفیانہ منطق اس بنیاد پر استوار کی گئی ہے کہ جو نظر نہیں آتا وہ ہے اور جو نظر آتا ہے وہ نہیں ہے یا عارضی ہے تیسرے اصول کا فطری عمل کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو کائنات کی کسی حرکت کو برائی کا نام نہیں دیا جاسکتا کیونکہ کائنات کے افعال پر تنقید کرنے کی صلاحیت انسانی ذہن ابھی حاصل نہیں کر سکا' چوتھا اصول بھی فطری عمل پر تنقید پر ہی مشتمل ہے کیونکہ زندگی فطری عمل کی تخلیق ہے اور انسان زندگی کا حصہ ہے جبکہ چوتھا اصول مفروضی تصورات کا داعی ہے جن کے درست ثابت ہونے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں ہیں یہ فطری بات ہے کہ زندگی موجود ہے اور اس میں انسان بھی موجود ہے۔ اس لئے اس کے ہونے کے بارے میں غور نہ کریں بلکہ اس کے نہ ہونے پر ہی ساری زندگی بتا دیں اور یہی سوچتے رہیں کہ انسان اگر نہ ہوتا تو اچھا تھا' میرا خیال ہے ہندو مائی تھالوجی پراگندا اور متضاد تصورات کا مجموعہ ہے جس کو پڑھتے پڑھتے انسان کا ذہن مزید تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے اور قصداً" بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتا جبکہ گریک مائی تھالوجی جہاں ذہنی انتشار پیدا کرتی ہے وہاں غور و فکر کا راستہ بھی متعین کرتی ہے کیونکہ بہتر زندگی گزارنے کے اصول بھی بتائے گئے ہیں۔ البتہ ہندو فلسفے کے حوالے سے ایک بات کہی گئی ہے اگر یہ درست ہے تو ہندو مائی تھالوجی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ کائنات ایک تغیرپذیر سلسلہ ہے جس کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہا ہے۔ اس لامتناہی سلسلے میں موت سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور زندگی سے موت۔ لیکن آگے پھر وہی بات کہی گئی ہے کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ دھوکا ہے اور جو نظر نہیں آتا وہ اصل ہے۔ ماضی بعید کے فلاسفہ نے نوع انسان کو ذہنی اعتبار سے ایک ایسے گہرے سمندر میں اتار دیا تھا جس میں سے سلامت نکل آنا ممکن نظر نہیں آتا۔

Marfat.com

ہندو تثلیت :۔ ہندو فلسفے کی اساس تثلیت پر رکھی گئی تھی جو آج بھی ہندو تہذیب میں نظر آتی ہے۔ وہ لوگ بھگوان کو برہما (قادر مطلق) وشنو اور شیو ان تینوں کی تثلیث کو پوری کائنات پر محیط اور کارفرما خیال کرتے ہیں برہما قادر مطلق ہے' وشنو زندگی کا دیوتا ہے اور شیو موت کا دیوتا ہے کالی ماتا اس کی دیوی ہے۔ شیو اور کالی دیوی دونوں کا کام زندگی چھین لینا ہے اس لئے ہندو تہذیب میں کالی ماتا کی پوجا زیادہ ہوتی ہے اور اس سے ہی زندگی کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ برہما کو درجے کے اعتبار سے سب سے بڑا اور اعلیٰ مقام حاصل ہے لیکن پوجا کے حوالے سے بھگوان (برہما) کی بجائے دیوتاؤں کی پرستش زیادہ کی جاتی ہے ذات پات کا ذکر اوپر آچکا ہے اس میں ایک بات کی وضاحت رہ گئی تھی جس کو ضروری خیال کرتے ہوئے بیان کیا جارہا ہے کہ ہندو مائی تھالوجی میں جو ذات پات کا تصور ملتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ برہمن کی جو اعلیٰ درجے کی ذات ہے وہ برہما کے منہ سے وجود میں آئی تھی دوسرے نمبر پر کھشتری ہیں جو برہما کے بازوؤں سے وجود میں آئے تیسرے نمبر پر ہیں ویش جو برہما کی رانوں سے وجود میں آئے اور چوتھے نمبر پر شودر ہیں جو برہما کے پاؤں سے وجود میں آئے تھے اب تقسیم پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ تقسیم جس زمانے میں بھی کی گئی تھی یہ بات میرے علم میں نہیں آئی کہ یہ کس ہندو اوتار یا دیوتا سے منسوب ہے لیکن اس وقت یہ غرض نہیں ہے آج تو انسانی شعور اس پوزیشن میں ہے کہ ماضی کے انسانوں نے اپنے وقت کی مناسبت سے جو بہتر سمجھا وہ کیا۔ ماضی کے انسان نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا اس کے مدنظر اس کے اپنے زمانے کے مسائل تھے اس نے مستقبل کے انسان کو سامنے ہرگز نہیں رکھا تھا بالکل اسی طرح آج ہم اپنے مسائل میں گھیرے ہوئے ہیں ہم مستقبل کے انسان کے مسائل کے لئے کچھ کرنے کی حالت میں ہرگز نہیں ہیں اگر ہم روئے زمین پر آج زندگی کو خوبصورت اور پر امن بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو آئندہ آنے والا انسان اپنے وقت میں اپنی زندگی کی خاطر اسے مزید خوبصورت بنائے گا لیکن اگر ہم نے اسے وراثت میں بیسویں صدی کے سارے عذاب منتقل کر دیئے تو وہ بھی یہی کچھ کرنے پر مجبور ہو جائے گا جو ہم کر رہے ہیں۔

Marfat.com

علت اولیٰ :- آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ قبل مسیح کے فلاسفہ نے خدا کی ذات کو تلاش کر کے متعارف کروانے میں بہت ہی عجلت سے کام لیا تھا اور یہ کام انسان نے اپنی علت تلاش کرنے کیلئے کیا تھا اور انسان نے جس ذہنی ارتقا کی حالت میں خدا کا تصور پیش کیا تھا وہ ارتقا انسانی ذہن نے لاکھوں سال کے بعد حاصل کیا تھا جبکہ اس وقت کو بھی ہزاروں سال گزر چکے ہیں لیکن خدا کی ذات کا تصور دینے والے پہلے انسان اور آج کے انسان کی ذہنی صلاحیت' اس مشین کی صلاحیت کے برابر ہے جو مشین انسان نے خود بنائی ہو جس طرح وہ مشین اپنے خالق (انسان) کا ادراک نہیں رکھتی عین اسی طرح انسان اپنے اور اس کائنات کے بنانے والے کا ادراک ابھی تک حاصل نہیں کر سکا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی بنائی ہوئی مشین انسان جیسا ذہن نہیں رکھتی اس لئے وہ انسان کا ادراک حاصل نہیں کر سکتی لہٰذا یہ بحث اس لئے یہاں ختم ہو جاتی ہے کہ نہ مشین انسان جیسا ذہن حاصل کریگی اور نہ بات آگے بڑھے گی لیکن انسان جو کائنات کا حصہ ہے اور فطری پراسیس کے تحت عالم وجود میں آیا ہے پھر بھی اسے اپنے کل کا صحیح ادراک حاصل نہیں ہو رہا۔ یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ انسان کا اپنے کل کی تلاش کا طریق کار غلط ہی نہ ہو یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ انسان جس ذات کو وجود مطلق کے نام سے پکارتا ہے اس کا ادراک وہ کبھی بھی حاصل نہ کر سکے کیونکہ بعض کے نزدیک انسان کے پاس ایسا کوئی وصف نہیں ہے جو حقیقت مطلق کا عرفان حاصل کر سکے بعض نے اب وجدان کا سہارا لیا ہے لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتنے افراد ایسے ہیں جن کو ایک سی وجدانی کیفیات حاصل ہیں انسانوں کی تو ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر آراء نہیں ملتیں ان کی وجدانی کیفیات ایک کیسے ہو سکتی ہیں ہر بندے کی وجدانی کیفیت کا حاصل دوسروں کی وجدانی کیفیت کے حاصل سے مختلف ہوگا کیونکہ تمام انسانوں کی ذہنی کیفیت ایک دوسرے سے مکمل طور پر مختلف ہوتی ہے یہ اس لئے ہے کہ انسانوں کے ذہن کی صلاحیتیں ہی ایک دوسرے سے مختلف ہونگی اگر کسی ایک ہی مکتبہ فکر کے دس افراد کی رائے کسی مسئلے کے بارے میں ان کو صورت حال بتائے بغیر حاصل کی

Marfat.com

جائے تو ان کی آراء میں اختلاف ہوگا جس کی وجہ سے ہم کسی کو بھی موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ ان سب کی شعوری اور لاشعور صلاحیتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح تمام انسانوں کے وجدان اپنے اپنے ہیں۔ وجدان کا مطلب ہے باطنی حسیات کے استعمال سے کسی شے کی پہچان کرنا۔ خوشی کی انتہا والی کیفیت بھی وجدانی کیفیت کہلاتی ہے۔ اور وجد کی حالت میں بھی انسان وجدانی کیفیت میں ہوتا ہے کسی انسان کا کسی خاص کیفیت کے تحت مادی تصورات سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات کے اندر ہی کسی لمبے سفر پر چلے جانا بھی وجدانی کیفیت کہلاتی ہے یا فرض کریں کسی انسان نے کئی ہزار میل کا سفر کیا ہوا ہے اور اس نے سفر کے دوران جن جن مقامات کو دیکھا ہوا ہے کسی وقت وہ اپنے تصورات کے ذریعے اسی سفر کا آغاز کرتا ہے تو وہ بندہ اپنے اس تصوراتی سفر کے دوران صرف ان ان مقامات کو اپنی باطنی آنکھ سے دیکھ سکے گا جن جن مقامات کو وہ اپنے وجود کے ساتھ سفر کرتے ہوئے دیکھ چکا ہوگا اس تصوراتی حالت کو بھی وجدانی کیفیت کہہ سکتے ہیں اگر انسان کا وجدان اتنا ارتقا پذیر ہو جائے کہ وہ زمین پر سفر شروع کرنے سے پہلے اپنی وجدانی کیفیت میں ڈوب کر اپنی باطنی آنکھ سے راستے میں آنے والے تمام مقامات کو اس طرح دیکھ سکے جس طرح وہ اپنی ظاہری نظروں سے دیکھ سکتا ہے اور وہ آدمی روشنی کی رفتار والے راکٹ پر سوار ہو' اس کی عمر پچاس ہزار سال ہو اس انسان کے بارے میں یہ سفارش کی جاسکتی ہے کہ وہ فضائے بسیط کے سفر پر روانہ ہوجائے اور اس رپورٹ کے ساتھ واپس آئے کہ کتنے سیاروں (Planets) پر کسی نہ کسی شکل میں زندگی موجود ہے یا کسی پر بھی نہیں ہے خدا کے بارے میں وہ آدمی بھی کوئی رپورٹ نہیں لا سکے گا اگر وہ مثبت رپورٹ لے آیا تو خدا کی تلاش کا وہ پہلا قدم ہوگا کتنی حیران کن بات ہے کہ سطح آب پر نمودار ہونے والا یہ بلبلا (انسان) کئی ہزار سال پہلے ہی خدا کو تلاش کر چکا تھا اب اسے آمادہ کرتا رہتا ہے کہ وہ اس کی خواہشات پوری کرتا رہے۔ خیر چھوڑیے اس بات کو کونسا وہ آدمی ہم میں سے پیدا ہو سکتا ہے یہ تو ایک جملہ معترضہ آگیا تھا آیئے وجدان کی جو بات ہو رہی تھی پھر ادھر چلتے ہیں اور اسے مکمل کرتے ہیں اوپر مختلف

وجدانی کیفیتوں کا ذکر ہو چکا ہے جس وجدانی کیفیت میں انسان حقیقت مطلقہ' وجود مطلق یا اپنے کل تک رسائی حاصل کرنے کا دعویدار ہے اس کا ذکر کرنا ابھی باقی ہے جن فلاسفہ اور صاحب علم و آگہی کا یہ دعویٰ ہے ان تمام کا تعلق کسی نہ کسی مذہبی مکتبہ فکر سے تھا اور بعض نے اپنے فلسفیانہ فکر کو ہی نظام حیات بنا رکھا تھا ایسی صورت حال میں جو بھی سوالات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ان کے وقتی طور پر جوابات ضروری ہو جاتے ہیں انسانی فطرت میں ایک ہمہ دانی کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے جس کے جبلی دباؤ کے تحت وہ ہر سوال کا جواب دینے پر مجبور ہوتا ہے اس دباؤ کو ناقابل برداشت حد تک بڑھانے میں انسان کے حواری ایندھن اور آگ کا کام دیتے ہیں جب وہ کہتے ہیں "حضور آپ کا حکم ہی خدا کا حکم متصور ہوگا" اور کبھی انسان کا وجدان مختلف صورت حالات کے تحت اسے غلط نہج پر بھی ڈال دیتا ہے اور نتیجتاً انسان کا فیصلہ آگے چل کر دوسروں کیلئے مشکلات پیدا کر دیتا ہے جس وجدانی کیفیت کے ذریعے انسان وجود مطلق کا عرفان حاصل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا طریقہ واردات انفرادی بھی اور اجتماعی بھی ہے یہ صوفیانہ مسلک کی اختراع ہے جس کے تحت تمام مذاہب کے اپنے اپنے طریقہ عبادت میں مشغول ہو کر بے خودی کی حد تک اپنے اوپر وجد طاری کر لینا کہ مادی دنیا کی کوئی سدھ بدھ نہ رہے تو اس حالت کو وجدان کہا جاتا ہے یہی وہ حالت ہے جس کے توسط سے انسان خود کو خدا کے حضور حاضر کرنے کا دعویدار ہے۔ یہاں ایک نہائت اہم نکتہ بیان کرنا بہت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی بھی ذی شعور انسان وجدانی کیفیت کی مشق کرتے کرتے اس حالت کی پہچان تو کر سکتا ہے کہ یہ وجدانی کیفیت ہے لیکن وجدانی حالت میں اپنے شعوری علوم کی حدود سے باہر نہیں جاسکتا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ انسان ان مناظر کو اپنے تصور کی آنکھ سے دوبارہ وہاں جائے بغیر دیکھ سکتا ہے جو ظاہری آنکھوں سے دیکھے ہوئے مناظر اس کے حافظے میں محفوظ رہ گئے ہوں۔ جب انسان اپنی تصور کی آنکھ سے کوئی چیز' مقام یا منظر دیکھتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کام انسان نے اپنے وجدان کے ذریعے کیا ہے جس طرح کچھ لوگوں کی ظاہری نظر بہت تیز ہوتی ہے اسی طرح بعض لوگوں کی باطنی

Marfat.com

تصور کی آنکھ بھی بہت تیز ہوتی ہے وجدانی قوت کا حافظے سے بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ انسان ذہنی طور پر تندرست ہو اور اس کی عقل کام کرتی ہو بلکہ درست طریقے سے کام کرتی ہو تو اس کا وجدان بھی کام کرتا ہے کیونکہ وہ تو عقل کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا جب کوئی انسان مجذوبی حالت میں ہوتا ہے تو اس کی عقل اس کا ساتھ چھوڑ جاتی ہے اور اس کے پاس وجدان بھی نہیں رہتا۔ یہ صورت حال غور طلب ہے اور میں اہل فکر و دانش کی توجہ اس طرف دلاتا ہوں کہ جس وجدان کا فلاسفہ ذکر کرتے ہیں اس وجدان کو متعارف کروانے والی قوت انسانی عقل ہے جب تک عقل وجدان کا ساتھ دیتی رہتی ہے وجدانی تصور آگے بڑھتا رہتا ہے اور جہاں عقل کام نہ کرے یا کر نہ سکے وہاں انسان کا کوئی بھی جذبہ کام نہیں کرتا۔ انسان جتنے بھی جذبوں سے کام لیتا ہے ان میں سے اسی جذبے کا کام قابل تعریف ہوگا جس کی عقل نے بہتر سے بہتر طریقے سے رہنمائی کی ہوگی انسان عقل ہی کے طفیل باقی مخلوق سے بہتر حالت اختیار کر سکا ہے یہ محض مفروضہ ہے کہ جہاں عقل نہ پہنچے وہاں عشق یا وجدان پہنچ جاتا ہے عقل کا وصف محتاج نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ آزاد ہے۔ عقل آزاد فضا میں نشوونما پاتی ہے۔ اگر ضمیر غلامی قبول کر لے تو عقل کند ہو جاتی ہے انسان نے حواس خمسہ اور عقل کے علاوہ اپنے اندر کی کیفیات کے بہت سارے نام تجویز کر رکھے ہیں جن کو جذبات کہا گیا ہے مثال کے طور پر محبت' نفرت' غصہ' ارادہ' خواہش' حسد' کدورت' خوشی' غمی' وحشت' مایوسی' شہوت' صبر' غرور' آشنائی' ہوس' خوف' ناکامی' انصاف' اعتدال' جستجو' سخاوت اور امید وغیرہ ایسے تمام جذبے آنکھیں نہیں رکھتے' دیکھ نہیں سکتے۔ عقل ان تمام جذبوں کی آنکھ ہے اس لئے سب کے آگے آگے چلتی ہے سب کی رہنمائی کرتی ہے اور اگر کوئی جذبہ اپنی شدت کے تحت خود ہی چل پڑے تو اس کی کامیابی کبھی یقینی نہیں ہوتی خدا کی ذات کا تصور یقیناً" دیو مالائی عہد کے بعد کی پیداوار ہے کیونکہ یہ کام باقاعدہ ایک طویل ذہنی کاوشوں کے بعد انسان نے کیا ہوگا گو کہ میں اپنی اس رائے کا پہلے اظہار کر چکا ہوں کہ انسان نے اس عظیم فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام لیا تھا کیونکہ خدا کی ذات سے انسان

Marfat.com

مختلف اوقات میں جو اوصاف منسوب کرتا چلا آیا ہے آج کی جدید تحقیقات کی موجودگی میں ان اوصاف کے ساتھ اس کی ہستی کو ثابت کرنے میں دقتیں پیش آرہی ہیں دوسری طرف روح کا مسئلہ بھی ہزاروں توجیہات و دلائل کے باوجود الجھتا چلا جا رہا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا اور روح کا ہزاروں سال پہلے کا اٹل فیصلہ جوں کا توں چلا آرہا ہے جبکہ فلسفیانہ فکر اور سائنسی تحقیقات مسلسل کام کر رہی ہیں اور یہ دونوں فکر اب رک بھی نہیں سکتے۔ جبکہ ان کو کام کرنے سے روکنے کا کوئی جواز بھی نظر نہیں آتا کیونکہ انسانی ذہن سوچتا ہے اور سائنسی ذرائع اسے عملی جامہ پہنچاتے ہیں جس سے نوع انسان کی بہتر سے بہتر خدمت ہو رہی ہے۔ بعض اوقات اس قسم کی خبریں بھی سننے میں آتی ہیں کہ سائنس کے پاس شعوری طاقت نہیں جس سے اشیا کے ہونے کا ادراک حاصل ہوتا ہے جبکہ سائنس کو ایسے کسی وصف کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ سائنس کو انسانی عقل و شعور کی راہنمائی تو ہر وقت میسر ہے۔

مادی ارتقا کے بارے میں ہر تعلیتس نے قبل مسیح جو نظریہ پیش کیا تھا آج کا دانشور بھی اور سائنس دان بھی اس نظریئے کی تائید کر رہے ہیں کہ "ہر شے اپنے بطون میں اپنی ضد رکھتی ہے اضداد کی پیکار اور آویزش میں حرکت اور زندگی کا راز مخفی ہے" یہی مادی جدلیات کا اصول ہے جس کے تحت زندگی وجود میں آتی ہے دراصل قبل مسیح کے فلاسفہ میں سے بعض نے اس کرہ ارض کو مرکز کائنات تصور کر کے جو نظریات قائم کئے تھے ان کی اساس تو بدل گئی ہے آج ہم اس زمین کو باقی کائنات کا ایک حقیر سا حصہ تصور کر کے اس کے بارے میں عقل و شعور کا معیار متعین کرتے ہیں اور یہ پیمانہ سائنسی معلومات کا مہیا کردہ ہے کیونکہ خدا کے تصور اور انسان کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اور اس فاصلے کو کم کرنے میں انسان کی ذات بے بس ہوتی جا رہی ہے اور یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ انسان کی موت واقع ہونے کی صورت میں انسان کے اندر کا مادی جدلیات کا نظام اس کی ہیت تبدل کر دیتا ہے اور اس کے وجود سے کوئی چیز خارج نہیں ہوتی۔

Marfat.com

سائنسی دستور حیات کے مطابق انسان اپنے وجود کے حوالے سے مادہ حیات (Protozoa) سے ترقی کرتے ہوئے آج جس عقل و شعور تک پہنچا ہے اور خوبصورت اناٹومی کا مالک بن گیا ہے اور ارتقائی منازل طے کرتے کرتے کئی اعتبار سے اپنی حیثیت منوا چکا ہے یہ ہزاروں سال کے طویل فطری پراسیس میں سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہے جب کہ دوسری طرف روح یا جوہر کا تصور وقت کے ساتھ ساتھ مزید واضح اور قرین قیاس ہونے کی بجائے دھندلا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ مادہ جس کو نظر کا دھوکا کہا جاتا رہا ہے اس کے بغیر روح یا جوہر اپنی حیثیت منوا بھی نہیں سکتا اسے سہارا ملتا ہے تو مادے میں آنے سے ملتا ہے روح بات کرنا چاہے تو مادے کا سہارا لے اپنی حیثیت منوانا چاہے تو مادے کا سہارا لے اور یہ مادہ ہے بھی نظر کا دھوکا مادہ اور روح کے بارے میں اوپر تفصیل سے بات ہو چکی ہے کہ انسان نے کن حالات و واقعات میں روحانیت کے تصورات وضع کیے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک انسان نے ایک بات کہی یا ایک نظریہ متعارف کروایا تو آنے والے انسان نے دیکھا کہ گزشتہ آدمی کی بات کی کسی صورت بھی تصدیق ممکن نہیں ہے تو اس نے اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر کے اپنا نیا نظریہ قائم کر لیا اور نوع انسان کو نئے عذاب میں مبتلا کر دیا لیکن خدا اور روح کا مسئلہ آج بھی اتنا ہی حل طلب ہے جتنا انسان کے ابتدائی عہد میں تھا۔ کچھ فلاسفہ نے روح اور ذہن یا عقل و شعور کو ایک ہی شے گردانہ ہے جبکہ اکثر مکاتب فکر کے مطابق روح اور عقل و شعور دو مختلف اشیاء ہیں۔ میرے خیال میں کسی جاندار وجود میں خون کی حرکت یا اعضائے رئیسہ کا درست کام کرنا زندگی ہے اس دستور کے تحت نباتات اور حیوانات آتے بھی ہیں اور ان میں اپنی اپنی سطح پر شعور موجود ہوتا ہے۔ لیکن دونوں اقسام کے زندہ رہنے کے طریق کار مختلف ہیں نباتات اور حیوانات کے زندہ رہنے کے طریق کار کے رک جانے سے جو تبدیلی واقع ہوتی ہے انسان نے اس کو موت کا نام دیا ہے۔ انسانی وجود میں نہ کوئی شے داخل ہوتی ہے اور نہ خارج ہوتی ہے۔ عقل و شعور' زندگی کے تحت انسانی ذہن میں پرورش پاتے ہیں جب تک اعضائے رئیسہ اور باقی تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ درست

Marfat.com

کام کرتے ہیں انسانی زندگی کو کوئی مسئلہ در پیش نہیں ہوتا لیکن جب کوئی اعضاء بیمار پڑ جائے تو اس کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے جیسے ذہن بیمار پڑ جائے تو انسان دیوانہ پن تک پہنچ جاتا ہے۔ انسان کے تمام حواس' تمام قویٰ اور عقل و شعور حرکت قلب بند ہوتے ہی ختم ہو جاتے ہیں اس کے بعد جو کچھ بھی کوئی کہتا ہے سب مفروضیت ہے اور انسان نے جو تصور خدا سے منسوب کر رکھا ہے وہ اسے ثابت کرنے میں مسلسل ناکام چلا آرہا ہے۔ روح کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ اگر روح انسانی جسم سے الگ کوئی چیز ہے جو پیدائش سے پہلے بچے کے وجود میں داخل ہو جاتی ہے لیکن بچہ تو نابالغ ہے اس کی روح جو روح کائنات کا حصہ ہے یا خدا کا حصہ ہے یا خدا کا حکم ہے وہ بچے کے وجود میں آتے ہی نابالغ کیوں ہو جاتی ہے۔ نہ تو اسے کچھ یاد ہوتا ہے اور نہ ہی اسے سردی گرمی نہ آگ پانی نہ ضرر رساں اشیاء کا شعور ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے جسم جوان ہوتا جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ روح بھی جوان ہوتی جاتی ہے جو باہر ہوتے ہوئے اتنی باشعور تھی کہ ماں کے پیٹ میں ایک بچہ ہو یا دس بچے ہوں وہاں تک پہنچنے کا شعور تو رکھتی ہے لیکن جب وہ بچہ آگ پکڑنے لگتا ہے تو اس کی کسی بھی طرح کی کوئی رہنمائی نہیں کرتی۔ بچہ تعلیم حاصل کرنا شروع کردے اور کسی علم کی تمام اسناد حاصل کر لے تو اس کی روح علامہ بن جاتی ہے اور اگر بچہ سکول نہ جاسکے تو اس کی روح جاہل اور ان پڑھ رہ جاتی ہے اس کے بعد جو تقسیم شروع ہوتی ہے خدا کی پناہ' عام روحیں' خاص روحیں' ادنیٰ روحیں' اعلیٰ روحیں' جنہیں مواقع میسر آگئے وہ اعلیٰ اور جن کو محروم رکھا گیا وہ ادنیٰ۔ وفات کے بعد روحوں میں ان بزرگوں کی روحیں بھی شامل ہوتی ہیں جن کی تعلیمات سے لوگ مستفیض ہوتے ہیں لیکن موت کے بعد تمام روحیں اسقدر مجبور کیوں ہو جاتی ہیں کہ دنیا والوں سے کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ نہیں کر سکتیں میرے اس سوال کا جواب صاحب عقل و دانش حضرات دیں کہ اگر روح کوئی خارجی شے ہے تو پاگل پن یا ذہنی توازن بگڑ جانے کی صورت میں روح انسان کی رہنمائی کیوں نہیں کرتی؟

Marfat.com

عورت اور مرد کا دماغ

عورت اور مرد کے درمیان جو اختلاف چلا آرہا ہے وہ مرد کا اپنا پیدا کردہ ہے جس کی بنیادی وجہ مرد کا عورت کے مقابلے میں قوی تر ہونا ہے۔ ان دونوں میں سے نہ کوئی ادنیٰ ہے اور نہ کوئی اعلیٰ ہے یہ جو کہا گیا ہے کہ Scientifically عورت کا دماغ مرد کے دماغ کے مقابلے میں کسی اعتبار سے کمزور ثابت ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سائینسی تجزیہ درست ہے اس کو تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس کے درست ہونے کے شواہد موجود ہیں اور وہ یہ کہ ابتدائے زمانہ ہی سے مرد عورت پر غالب ہے اور اس پر حکمرانی کرتا چلا آرہا ہے اور یہ دورانیہ لاکھوں سال پر پھیلا ہوا ہے عورت کو اپنے ہونے کا احساس ضرور ہے لیکن اسے اپنی ذات کو منوانے کا موقعہ فراہم نہیں ہو رہا ہے البتہ مرد اتنا مجبور ضرور ہوا ہے کہ اسے اپنے دماغ اور عورت کے دماغ کا سائینسی اعتبار سے تجزیہ کرنا پڑا۔ قبل از تاریخ کے زمانے کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ تاریک زمانہ تھا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان تاریک زمانے سے نکل کر روشن زمانے میں آیا (تاریخی عہد میں داخل ہوا) تو اس وقت جو اس کی تمدنی اور معاشی صورت حال تھی وہ اس کے تاریک زمانے کی آئینہ دار کہی جاسکتی ہے یعنی تاریخی ادوار میں آکر انسان نے جو کرشمہ سازی کی ہے وہی کچھ تاریک زمانوں سے کرتا چلا آرہا ہے تاریک عہد کو تو ترقی یافتہ عہد کہا نہیں جاسکتا کیونکہ وہ عہد تو سب سے زیادہ جہالت کا زمانہ تھا اس میں تو انسان ابھی لکھنے پڑھنے کا سلسلہ شروع نہیں کر سکا تھا نہ ہی اس عہد میں کسی مذہب کا ثبوت ملتا ہے جب انسان سمجھدار ہوگیا تو اس کے بعد مختلف مذاہب کی ابتدا ہوئی۔

جہاں تک مرد کے قوت میں زیادہ ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات بھی سائینسی نقطہ نظر کے عین مطابق ہے کہ جو بھی صنف جنم دینے کا فریضہ سرانجام دے گی وہ

Marfat.com

جسمانی طور پر کمزور ہوگی یہ فطری عمل کا تقاضہ ہے لیکن میں جس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ انسانی ذہن کئی اعتبار سے ارتقا پذیر نہیں ہو رہا کسی ایک مقام پر رکا ہوا لگتا ہے لیکن سائنسی میدان میں آگے بڑھ رہا ہے جو کہ ایک حوصلہ افزا بات ہے اور ایسی ارتقا پذیری کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ جہاں مرد کا ذہن لاکھوں سال سے عورت کو گورن کر رہا ہے اور ذہنی طور پر اس سے بلند درجے پر ہے اگر زندگی کے تمام شعبہ جات میں عورت کو گورن کرنے کی سہولت مل جائے تو صرف ڈیڑھ یا دو سو سال کے بعد دونوں کے ذہن کا تجزیہ ثابت کر دیگا کہ عورت ہر اعتبار سے مرد کے برابر ہے کیونکہ یہ اس فطری پراسیس کا حصہ ہے جس کے تحت ارتقائی عمل کام کرتا ہے البتہ جسمانی طور پر عورت کمزور ہی رہے گی اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مرد یہ کہہ کر بری الذمہ ہو جاتا ہے کہ خدا نے عورت کو کم درجہ اور کمزور پیدا کیا ہے حالانکہ اگر اصل صورت حال کا جائزہ لے لیا جائے تو ساری بات کی سمجھ آ جاتی ہے لیکن جس بات میں نقصان نظر آتا ہو اس کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

انسانی ذہن کی ارتقا پذیری میں مرد کے دماغ نے جن حالات میں اولیت حاصل کی ہے ان حالات کا جائزہ لینا بہت آسان سی بات ہے۔ اس میں کسی آفاقی قوت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ میری اس بات سے میدان سائنس کے ماہرین انکار نہیں کر سکتے کہ فطری پراسیس کے تحت کسی بھی نوع کی ذہنی قابلیت کو بڑھایا یا گھٹایا جا سکتا ہے۔ (Superiority in intellectuality can be increased /decreased

of any specie under the natural procoss of growth

اس مقصد کے حصول کیلئے دورانیے کا تعین ماہرین ہی کر سکتے ہیں میں نے تو ایک اندازے کا ہی ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

ظلم اور جبر سے نجات کیسے ہو؟

ظلم ـــــ یہ ایک رویہ ہے جسے انسانوں اور حیوانوں کے برے اوصاف کے اظہار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اور معنوی اعتبار سے ظلم کے تمام رویوں کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ اس لئے تمام لوگ ظلم کو نہ صرف برا سمجھتے ہیں بلکہ اس بات کے دعویدار بھی ہیں کہ وہ ظلم کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جو شخص یا گروہ ظلم کر رہا ہو وہ شخص بھی اور اگر زیادہ لوگ ہوں تو وہ بھی اپنی زبان سے سب یہی کہتے سنے جاتے ہیں کہ وہ ظلم کے خلاف کام کر رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ مظلوم تو ظلم کے خلاف فریاد کناں ہوتا ہی ہے لیکن جو اس پر ظلم کر رہا ہے وہ بھی اس بات کا دعویدار ہے کہ وہ ظلم کے خلاف ہے۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی بھی ملک کا سربراہ آئے دن اخبار میں یہ بیان دیتا رہتا ہے کہ ظلم کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کیا جائے گا ویسے دیکھا جائے تو وہ سربراہ کہتا تو ٹھیک ہے کیونکہ اس پر تو کوئی ظلم کرتا ہی نہیں ہے اس لئے وہ تو ظلم برداشت نہیں کرتا۔ اس پر کوئی ظلم کرے تو پھر پتا چلے کہ وہ ظلم برداشت کرتا ہے یا نہیں۔ جب سے ہمارا یہ ملک وجود میں آیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک جو بھی اس ملک کا وزیر اعظم بنتا ہے وہ اپنے پورے وقت میں یہ مکروہ فقرہ دہراتا ہی رہتا ہے کہ اس نے "ظلم اور زیادتی کو ملک بدر کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے" اس نے اور بھی بہت ساری باتوں کا تہیہ کیا ہوا ہوتا ہے جن کا سب لوگوں کو پتا نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ بات سب کے علم میں ہوتی ہے کہ ہر گھر میں ایک سربراہ فرد ہوتا ہے جو اور بہت ساری باتوں کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال بھی رکھتا ہے کہ گھر کے اندر کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہ ہو۔ اس سے اوپر ہر محلے میں کچھ ذمہ دار لوگ پنچائت کی شکل میں موجود ہوتے ہیں کہ سارے محلے میں کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہ کرے اس سے اوپر شہر میں ایک میر (Mayor) ہوتا ہے ہر قصبے میں بھی ایک نجی عدالت ہوتی ہے اس کے علاوہ تمام وزراء بھی اپنے اپنے حلقوں میں ظلم کے خلاف ایک عدالت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر ضلعی مقام پر بہت سارے مجسٹریٹ

Marfat.com

ہے اور ناظرین کو تفریح بھی مہیا کی جاتی ہے لیکن ایسا کرتے ہوئے جو زیادتی ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ ظلم اور ظالم کو جس ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ دکھایا جاتا ہے اس سے ظلم کی تحقیر نہیں ہوتی بلکہ ظالمانہ روش اختیار کرنے والوں کے لئے ٹریننگ کیمپ لگا کر انہیں نئے نئے ہتھکنڈوں سے آشنا کیا جاتا ہے جس سے وارداتیوں کو عملی طور پر مدد حاصل ہوتی ہے یہ سلسلہ مغربی ممالک نے شروع کیا تھا جہاں آج بھی ٹی وی ڈراموں میں ایسے ایسے ظالمانہ طریقے فلمائے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جب ٹی وی سکرین پر یہ دکھایا جائے گا کہ بینک اس طرح لوٹے جاتے ہیں قتل و غارت اس طرح کی جاتی ہے تو ظلم کم کیسے ہو سکے گا۔ شکسپیئر انتہا درجے کا ذہین آدمی تھا جس کو انگلش لٹریچر میں لافانی شہرت حاصل ہوئی جس کی بنیاد مافوق الفطرت ڈرامائی کرداروں اور قتل و غارت سے بھرپور کرداروں پر رکھی گئی تھی آپ غور کریں کہ جن رویوں کو آپ اتنا زیادہ اوپر اٹھائیں گے ان کے خلاف شکایت کا آپ کے پاس کیا جواز ہے۔

فلم انڈسٹری کا رول:۔ جس زمانے میں فلم انڈسٹری کا آغاز ہوا تھا اس وقت خاموش تصویریں حرکت کرتی ہوئی دکھائی جاتی تھیں جو اشارے بازی سے مزاح پیدا کر کے ناظرین کو تفریح مہیا کرتی تھیں لیکن جلد ہی صوتی تصویروں نے بولنا شروع کر دیا اور پھر تاریخی داستانوں اور فرضی کہانیوں پر مبنی داستانیں فلمائی جانے لگیں۔ اور چونکہ سٹیج ڈرامہ ہزاروں سال پہلے سے چلا آرہا تھا اس لئے نوازئیدہ فلم سکرین نے نہ صرف اس کی جگہ لینے کی کوشش کی بلکہ کیمرائی ہوشیاری (Cameratricks) نے تو وہ کمال دکھائے کہ سوسائٹی کی تمام اخلاقی اقدار کو روند کر رکھ دیا اور بنیادی وجہ فلم انڈسٹری کی بھی اخبارات کی طرح کمرشل پرابلمز تھیں جو آج بھی ہیں روپیہ کمانا اور لوگوں کو تفریح (ذہنی عیاشی) مہیا کرنا جو کہ لڑائی مارکٹائی ظلم و زیادتی اور جنسی اشتعال کے بغیر نامکمل سمجھی جاتی ہے۔ 1885ء میں فلم پروجیکٹر ایجاد ہوا اور تقریباً سو سال کے عرصے میں ظلم اور جبر کے جتنے واقعات انسانی تاریخ کے وساطت سے دستیاب ہوسکے تھے فلم انڈسٹری نے نہ صرف انہیں زندہ رکھا ہے بلکہ ان مکروہ

Marfat.com

واقعات میں زیب داستاں کیلئے ایسے ایسے اضافے کئے گئے کہ اب لوگ انہیں تفریح طبع کے طور پر بار بار دیکھتے ہیں جس کے اثرات اتنے دور رس ثابت ہوئے ہیں کہ تمام فرضی فلمی کہانیاں بھی انہیں بنیادوں پر تحریر کی جاتی ہیں جب کہ اصلاحی پہلو کا کہیں دور دور تک کوئی پتا نہیں کیونکہ اصلاحی نقطہ نظر کو سامنے رکھا ہی نہیں جاتا۔

عدالت کا رول :۔ موجودہ دور میں تمام ممالک کی عدالتیں سرکاری شعبوں کے طور پر کام کرتی ہیں تمام جج حضرات یا قاضی سرکاری ملازم ہوتے ہیں۔ کسی ملک میں جیسی سوسائٹی ہوگی اور جیسی اس کی اقدار ہونگی اس ملک کے جج حضرات بھی اسی سوسائٹی کے افراد ہوں گے اور انہی اقدار کے حامل ہوں گے۔ تمام سرکاری اعلیٰ عہدیداران کئی اعتبار سے عدالتی عملے تک رسائی رکھتے ہیں بلکہ کسی کا بیٹا کسی کا بھائی اور کسی کا دوست جج ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام وکلا حضرات پیشہ ور ہوتے ہیں جو اس جستجو میں رہتے ہیں کہ کوئی کیس کیسا بھی ہو مالی اعتبار سے پارٹی مضبوط ہو تو ان کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے کوئی ایک وکیل جتنے زیادہ کیس (Case) رجسٹر کریگا یہ اس کی انوسٹمنٹ ہوتی ہے کسی مقدمے کا فیصلہ کتنے عرصے میں ہوگا یہ اس کی ذمہ داری نہیں ہوتی کیونکہ عدالتوں میں ہزاروں کے حساب سے مقدمے ہوتے ہیں اور سالوں کے حساب سے وقت لگتا ہے اس لئے ہمارے ملک جیسے معاشروں میں کسی سائل کو بھی انصاف نہیں ملتا۔ ان عدالتوں میں عدل ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ جو کوئی زیادہ طاقت ور ہوتا ہے اس کے حق میں فیصلہ ہوتا ہے کمزور کے حق میں نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے جیسے معاشروں کی عدالتوں میں بھی جنگل کا قانون رائج ہوتا ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس اس معاشرے میں کسی جوان عورت کو عدالت میں جانا پڑ جائے تو اس کی شامت آ جاتی ہے۔ مخالف فریق کے وکلا حضرات ایسے ایسے سوالات کرتے ہیں جن سے سفلہ پن کا اظہار ہوتا ہے ایسی صورت حال کو کوئی بھی بھلی عورت فیس (Face) نہیں کر سکتی۔ حقائق جاننے کے باوجود پیشہ ور وکلا مخالف سمت میں کھڑے ہوں تو جو باتیں دوہرانے کی اخلاق اجازت نہیں دیتے وہ حضرات بڑی دیدہ دلیری سے بولتے جاتے ہیں۔ کسی کیس (Case) کو اپنے ہاتھ میں لینے سے پہلے سائل سے

تفصیل کے ساتھ مقدمے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی قاتل ہے تو وہ اپنے وکیل کو لفظ بلفظ بتاتا ہے کہ اس نے کس طرح اور کس چیز سے قتل کیا ہے اور اس بات کا یقین کر لینے کے بعد کہ واقعی سائل نے قتل کیا ہے وکیل مقدمے کا سودا کرتے ہیں اور قاتل کی حیثیت کے مطابق اس سے فیس لی جاتی ہے۔ اور ظلم کا دفاع شروع ہو جاتا ہے۔ یہ پریکٹس اس گلوب کے تمام ممالک میں' انصاف کی عملی صورت اسی طریقے سے چل رہی ہے۔ اس خفیہ جرم میں دنیا کی تمام عدالتیں شامل ہیں۔ جتنے بھی سنگین نوعیت کے جرائم ہوتے ہیں وکلا حضرات باقاعدہ ان پر سودے بازی کرتے ہیں اور سارے نہ سہی بہت سارے جج حضرات بھی لاکھوں روپے رشوت لے کر قاتلوں کو بری کرتے آ رہے ہیں کیونکہ ایسا کرنے میں وہ بااختیار ہوتے ہیں جہاں تک انصاف کے حصول کا تعلق ہے تو بعض حلقوں کا خیال ہے کہ سنگین جرائم کے سلسلے میں قوانین بہت سخت ہونے چاہییں تاکہ کسی کو جرم کرنے کی ہمت نہ ہو لیکن تجربات اور مشاہدات سے پتا چلتا ہے کہ جب کسی ملک کی انتظامیہ بد دیانت ہو تو قوانین چاہے کتنے بھی سخت کیوں نہ ہوں وہ دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور جرائم ہی جرائم ہوتے رہتے ہیں کیونکہ قوانین پر عمل ہی نہیں ہوتا اور قوانین بے شک نرم ہوں اگر ان پر عمل درآمد میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو انصاف ضرور ہو گا۔ لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے قوانین پر عمل کروانا ہوتا ہے وہ خود ہی اندر خانے قوانین سے انحراف کر رہے ہوں تو قوانین سخت ہوں یا نرم ہوں یا نہ ہوں ایک ہی بات ہے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عام لوگوں کیلئے قوانین کا ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ انہیں قابو میں رکھا جائے۔

اس سلسلے میں یہ کہنا ضروری ہے کہ اس گلوب پر جتنے بھی ممالک ہیں ان میں جیسی بھی سوسائٹیاں ہیں اور جیسی بھی وہاں کی بود و باش ہے ان سب کا تمام سوسائٹیاں اثر قبول کرتی ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا کی تمام تہذیبیں رسم و رواج کے اعتبار سے لباس کے اعتبار سے اور چیزوں کے استعمال کے اعتبار سے آپس میں باہم اثر پذیر ہیں۔ پوری دنیا میں روزمرہ استعمال کی چیزیں ایک ہی طرح کی ہوتی جارہی

Marfat.com

ہیں اور ان کا استعمال بھی ظاہر ہے تمام لوگ ایک ہی طریقے سے کرتے ہیں اور ویسے بھی گلوب پر جتنے بھی مکاتب فکر ہیں ان میں کسی ایک مکتبہ فکر کو لے لیں آپ دیکھیں گے اس مکتبہ فکر کے ماننے والے تقریباً" تمام ممالک میں موجود ہیں اور وہ جہاں جہاں بھی موجود ہیں ان کے عقائد سے قطع نظران کا سماجی اور تہذیبی طرز بودو باش وہی ہوتا ہے یا اس کے مطابق ہوتا ہے جس سماج اور تہذیب میں وہ رہ رہے ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کا کوئی بھی بڑا مکتبہ فکر دنیا کی تمام تہذیبوں' تمام معاشروں اور تمام انسانی رسم و رواج کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے اور انہیں برداشت بھی کرتا ہے اس بات کی مزید وضاحت اس طرح ہے کہ مسلمان غالباً" دنیا کے تمام ممالک میں موجود ہیں اور وہ جس جس ملک میں رہائش پذیر ہیں اپنے عقیدے کے علاوہ ان کے تمام رسم رواج وہی ہیں جو ان ممالک میں چل رہے ہیں کیونکہ ساری دنیا کے مسلمان ایک ہی طرح کا لباس نہیں پہنتے ایک ہی طرح کے کھانے نہیں کھاتے' ایک ہی طرز پر شادیاں نہیں کرتے' تمام ممالک کے قوانین ایک ہی طرح کے نہیں ہوتے اور ایک ہی طرح کا سب کا رہن سہن بھی نہیں ہوتا لیکن ان سب کو مسلمان ہی تصور کیا جاتا ہے بلکہ تسلیم کیا جاتا ہے اس اعتبار سے دنیا کی تمام تہذیبیں اسلامی متصور ہوں گی۔ اسی طریقے پر دنیا کے باقی تمام مکاتب فکر کی مثال دی جاسکتی ہے۔ یہ صورت حال ہزاروں سال سے روئے زمین پر موجود ہے لیکن موجودہ عہد کے ذرائع ابلاغ' ذرائع رسل و رسائل اور ذرائع آمد و رفت نے اس صورت حال کو ہمارے سامنے کتاب کی طرح کھول کر رکھ دیا ہے اور تمام مکاتب فکر کے اندر تمام انسانی تہذیبوں کا امتزاج موجود ہے جو ایک نہائت خوبصورت بات ہے اور یہ بات تمام ممالک اور تمام تہذیبوں کے لیے دعوت فکر ہے لیکن یہ جو آج کی صورت حال میں نے بیان کی ہے یہ انسان کی شعوری کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ لاشعوری تگ و دو کا ہے جس کو انسان اگر شعوری طور پر سمجھ لے اور قبول بھی کر لے تو ہزاروں سال کا سفردنوں میں طے ہو سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا کے تمام ممالک ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے ہیں جبکہ انسان نے اس سلسلے میں کوئی

Marfat.com

منصوبہ بندی کبھی نہیں کی تھی بلکہ یہ نتیجہ ہے انسان کی ان منصوبہ بندیوں کا جو وہ کسی اور مقصد کیلئے کرتا چلا آرہا تھا لیکن یہ ایک اچھا نتیجہ ہے اور اچھی بات ہے کہ دنیا کے تمام ممالک ایک دوسرے کے قریب آگئے ہیں اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دور رہنے سے تہذیبیں ایک دوسری سے خوفزدہ رہتی ہیں لیکن قریب آنے سے ایک دوسرے سے جو صدیوں کا خوف چلا آرہا ہے وہ دور کرنے میں مدد ملتی ہے اور وہ خوف آہستہ آہستہ دوستی میں بدل جاتا ہے۔

میں اپنے ان خیالات کا بار بار ذکر کرتا رہتا ہوں کہ انسانی ذہن کی ارتقائی سمتیں بہت ساری ہیں لیکن انسانی ذہن ان تمام سمتوں میں ارتقا پذیر نہیں ہو رہا ہے مثال کے طور پر ذہن کے سوچنے کا یہ بھی ایک انداز ہے جس کے تحت اصلاح معاشرہ کی غرض سے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ریڈیو' ٹی وی اور فلمی سکرین پر اسی طرح دکھایا جاتا ہے جس طرح سوسائٹی میں واقعات رونما ہو چکے ہوتے ہیں یا ان کے ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ ایسا کرنے سے انسانوں کی اکثریت کا خیال یہ ہوتا ہے کہ جس طرح کسی سنگ دل انسان نے کسی کمزور پر مصائب کے پہاڑ ڈھائے تھے اس سارے پس منظر کو اسی طرح دکھانے سے باقیوں کو عبرت ہوگی اور ظلم اور زیادتی کو معاشرے سے ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ میرا موقف یہ ہے کہ تمام دنیا میں اسی طریقے سے برائی کے خلاف ہزاروں سال سے مہم چلائی جا رہی ہے لیکن اب تو عام ذہن کا مالک انسان بھی جانتا ہے کہ اس مہم کے باوجود انسانی معاشرہ درست ہونے کی بجائے مزید خراب ہوتا جا رہا ہے پھر ہم اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ اس طریق کار میں کہاں کوئی کمزوری ہے جس کی وجہ سے ہزاروں سال کی تگ و دو تمام دنیا میں کہیں بھی خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں کر سکی۔ میرے نزدیک اس کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ جب انسان نے برائی کے خلاف مہم شروع کی ہوگی تو اس نے سوچا ہوگا کہ جس انسانی فعل کو روکنا ہے اس کو گواہی کے طور پر جب تک پیش نہ کیا جائے گا اور یہ ثابت نہ کیا جائے گا کہ ایسا کرنا اخلاقی اور قانونی جرم ہے اس وقت تک ناظرین کس طرح جان پائیں گے کہ ایسا کرنا برائی ہے لیکن جب یہ سلسلہ شروع

Marfat.com

کیا گیا ہو گا اس زمانے میں اگر اس کی کوئی اہمیت تھی بھی تو آج وہ اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ آج ہر خاص و عام انسان جانتا ہے کہ عدالت کے رو برو مخالف فریق کا وکیل سر عام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جس طرح واقعہ پیش آیا تھا تقریباً" اسی طرح کر کے بتایا جائے تاکہ پتا چلے کہ ایسا ہوا تھا اس سے اس مخالف فریق کے وکیل کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ثابت کر سکے کہ مدعی کا کردار اچھا نہیں ہے جو کچھ ہوا تھا وہ سب اس کی رضا و رغبت سے ہوا تھا خاص طور پر جنسی مسائل کے سلسلے میں مخالف وکلا حضرات ایسے حربے استعمال کرنے سے نہیں چوکتے اور یہ مسئلہ انسانی سوسائٹی کا سنگین مسئلہ ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ہوا یہ کہ ذرائع ابلاغ' ریڈیو ٹی وی' فلم انڈسٹری اور عدالتوں کی کارروائی غیر موثر ہو کر رہ گئی ہیں بلکہ ظلم اور زیادتی مذکورہ اداروں کی زیب داستان کیلئے ضروری ہو گئی ہیں۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جس دور میں کسی مسئلے کو یا بہت سارے مسائل کو حل کرنے کیلئے کوئی قانون' کوئی دستور یا کوئی اصول وضع کیا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ کیلئے نہیں ہوتے کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ انسانوں کے رسم و رواج' طور طریقے' لباس اور ضروریات سب کچھ بدل رہا ہوتا ہے اس لئے قوانین' دساتیر اور اصول بھی بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن چونکہ انسان اپنی مختصر عمر کے باعث مروجہ دساتیر کا عادی ہو جاتا ہے اس لئے ان میں تبدیل کرنا ناپسند کرتا ہے لیکن جو ماہرین انسانی سوسائٹی کے کردار' رجحانات اور بدلتے ہوئے حالات کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں ان کے فرائض اس بات کے متقضی ہیں کہ انسانی سوسائٹی میں جو قواعد و ضوابط موثر نہیں رہے ان میں ترامیم تجویز کی جائیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی دستور ہزاروں سال سے چل رہا ہے اور اب وہ باقی قوانین کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تو اسے اس وقت تک بدلا نہیں جاتا جب تک کوئی مخدوش قسم کا واقع پیش نہیں آ جاتا جبکہ جس موضوع پہ بات ہو رہی ہے یہ پورے گلوب پر انسانی سوسائٹی کیلئے ایک عذاب' ایک وبا اور ایک مسلسل کرب کی صورت اختیار کر چکا ہے اور ہزاروں سال پر محیط ہے پھر بھی انسانی سوچ اس مسئلے کی بنیادی وجوہات پر غور نہیں کرتی اسی بنیاد پر میں اس بات

Marfat.com

کا دعویدار ہوں کہ انسانی ذہن کا ارتقا بہت ساری سمتوں میں رکا ہوا ہے جن سمتوں میں آگے بڑھ رہا ہے ان اطراف میں آئے دن معلومات میں حیرت انگیز حد تک کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں اور جن اطراف میں رکا ہوا ہے ان میں انسان کیلئے سنگین تر سے سنگین ترین مسائل پیدا ہوتے جا رہے ہیں مجھے اس بات سے مکمل طور پر اتفاق ہے کہ انسانی سوسائٹی میں ظلم' جبر' لڑائی اور مارکٹائی کے اسباب و محرکات اور ہیں اگر ان اسباب و محرکات کی بیخ کنی کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسانی معاشرے سے برائی کم نہ ہو لیکن ظلم و جبر کے اسباب و محرکات کو دور کرنا ایک طویل منصوبہ ہے جس پر انسان روز اول سے کام کر رہا ہے آج کی صورت حال یہ ہے کہ ان اسباب و محرکات میں ظلم اور جبر کی تشہیر بھی ایک طاقتور فریق کی حیثیت سے برسر پیکار ہے اس کو ختم ہونا چاہیے کیونکہ جب فلم اور ٹی وی سکرینوں پر ظلم کو تشہیر (Coverage) ملتی رہے گی اور ظلم کرنے والوں کو شہرت ملتی رہے گی ظلم ہوتا رہے گا کیونکہ فلم سکرین پر برے لوگوں کو برائی کرنے کی اصولی طور پر اجازت دی جاتی ہے دنیا کا کوئی قانون فلم اور ٹی وی سکرین پر ظلم دکھانے سے نہیں روکتا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آپ اچھائی چاہتے ہیں اس لئے اس کی تشہیر کرتے ہیں لیکن اگر اچھائی کے ساتھ ساتھ برائی کو شامل کئے رکھتے ہیں تو پھر انسانی سوسائٹی میں سے برائی ختم کیسے ہو۔ اچھائی اور برائی دونوں اوصاف شہرت کا باعث ہیں اور انسان کی فطری خواہش بھی شہرت ہے اچھی نہیں ملتی تو بری سہی آخر میں ایک مثال پر بات ختم کر رہا ہوں کسی بھی حکومت میں جس مسلک کا تسلط ہوتا ہے اس کے قوائد ضوابط کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بڑے اہتمام کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے لیکن کسی اور مسلک کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ کیوں نہیں ہوتی؟ اس لئے نہیں ہوتی کہ اپنے مسلک کے علاوہ اور کوئی مسلک پسند نہیں ہوتا۔ اس وقت جس سطح پر بات ہو رہی ہے اس سطح پر کسی بھی قسم کا ظلم اور جبر پسند نہیں کیا جاتا لیکن اس کی تشہیر ہو رہی ہے کیوں؟

* * *

Marfat.com

انسانی مسائل اور ان کا حل

انسانی مسائل پر انفرادی طور پر اظہار خیال تو کیا جاسکتا ہے لیکن کوئی فرد واحد روئے زمین پر تمام انسانوں کے مسائل کا ذکر نہیں کر سکتا کیونکہ یہ کام فرد واحد کے بس کی بات نہیں ہے یہ ٹیم ورک ہے یہ کام ایک ٹیم کے بس کی بات بھی نہیں ہے اس سلسلے میں کئی ٹیموں کی ضرورت ہے جو ہر شعبہ زندگی کے ماہرین پر مشتمل ہوں اور وہ ٹیمیں مختلف علاقوں میں جا کر وہاں کے حالات معلوم کریں تاکہ ان کو وہاں کے مسائل سے آگہی ہو سکے۔ ایسا کرنے سے لوگوں پر کچھ مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کو ایک امید کی کرن نظر آتی ہے کہ مسائل معلوم کئے جا رہے ہیں تو بعد میں ان کو حل بھی کیا جائے گا۔ عوام میں ایک بے چینی' بد اعتمادی اور مایوسی کی فضا پھیلی ہوئی ہوتی ہے اس میں کمی ہونا شروع ہو جاتی ہے لوگ کچھ وقت کیلئے خاموشی سے کسی بہتری کا انتظام کرنے لگتے ہیں لیکن اگر بادی النظر میں دیکھا جائے تو انسانی مسائل کے سلسلے میں بہت ساری باتیں سامنے آ جاتی ہیں مثلاً" دنیا کی آبادی بڑھ رہی ہے یہ بہت بڑا مسئلہ ہے کچھ ممالک نے بہت سارے ایٹم بم بنا رکھے ہیں جو غیر ایٹمی ملکوں کے لئے ہر وقت کا خطرا ہے جو ان کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ ساری دنیا میں خوراک کا مسئلہ سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ تقریباً" ساری دنیا میں نشے کی وبا پھیل چکی ہے۔ تمام دنیا میں فسادات ہو رہے ہیں۔ برے اور بھلے کی' سچے اور جھوٹے کی تمیز اٹھتی جا رہی ہے۔ تمام دنیا میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس' کا دستور کار فرما ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں جہالت بہت زیادہ ہے لوگوں کی اکثریت روائت پرست' قبر پرست اور پیر پرست ہے۔ جھوٹ بولنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ جہاں صف ماتم بچھی ہوتی ہے وہاں بھی لوگ چوری کر لیتے ہیں تقسیم زر میں کوئی نسبت نہیں ہے ایک طرف بے حساب دولت ہے اور دوسری طرف بے حساب غربت ہے۔ جن مسائل کا میں نے ذکر کیا ہے ان کے پس منظر میں دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ آج سے سو سال پہلے دنیا

Marfat.com

کی آبادی آج کے مقابلے میں بہت کم تھی کیا اس وقت لوگ بہت خوشحال تھے؟ نہیں ایسا بالکل نہیں تھا۔ جب دنیا میں کسی بھی ملک کے پاس کوئی ایٹم بم نہیں تھا اس وقت کے ممالک اور دنیا کی قومیں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتی تھیں؟ نہیں بالکل ایسی کوئی بات نہیں تھی اس وقت بھی کمزور ممالک طاقتور ملکوں سے خوفزدہ تھے کیا اس وقت خوراک عام تھی' کوئی فرد بھوکا نہیں رہتا تھا؟ ایسا بالکل نہیں تھا اس وقت تو ایسے ایسے قحط پڑتے تھے کہ کنواری لڑکیاں اپنے گھٹنے ہلا ہلا کر بچے کے حصے کا غلہ مانگتی تھیں۔ اگلا مسئلہ نشے کا ہے موجودہ عہد میں یہ جو ہیروئن ایجاد ہو گئی ہے یہ خوفناک چیز پہلے وقتوں میں نہیں تھی اس سے نجات اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کی پیداوار پر پابندی لگا دی جائے۔ لیکن مکمل طور پر اس لعنت کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے اسے ختم کرنے کیلئے منظم طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اگلا مسئلہ یہ ہے کہ دنیا میں فسادات بہت زیادہ ہو رہے ہیں لوگوں میں اپنایت ختم ہوتی جا رہی ہے ہر طرف مار دھاڑ ہو رہی ہے اور نفسا نفسی کا عالم ہے۔ اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ دنیا میں فسادات پہلے بھی ہوتے تھے اس وقت لوگ کم تھے اس لئے لڑائی جھگڑے بھی اسی نسبت سے ہوتے تھے آج کل آبادی بہت زیادہ ہو گئی ہے اس لئے فسادات بھی اسی نسبت سے ہو رہے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ کچھ لوگ بہت زیادہ امیر ہیں اور ان کے مقابلے میں غریب لوگ بہت زیادہ غریب ہیں جنہیں روزگار بھی میسر نہیں ہے اس لئے غریب طبقے کے کچھ افراد بھوک ننگ سے تنگ آ کر جرائم کا راستہ اپنا لیتے ہیں اور جن لوگوں کے پاس بہت زیادہ دولت ہے ان میں ایسے افراد کی اکثریت ہے جنہوں نے غلط ذرائع سے دولت جمع کر رکھی ہوتی ہے اور یہ بات جرائم پیشہ افراد کے علم میں بھی ہوتی ہے اس لئے لوٹ مار کا بازار گرم رہتا ہے البتہ بعض اوقات اس طوفان کی زد میں بے گناہ لوگ بھی آ جاتے ہیں ایسے حالات میں اچھے برے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے جہاں تک اس مسئلے کا تعلق کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس' یہ دستور انسان کی فطرت کا خاصہ ہے اس فطری وصف سے بچنے کیلئے ابھی انسان کی منزل بہت دور ہے جس دن انسان نے اپنی اس فطری کمزوری پر قابو پا لیا اس دن اس کے بہت

Marfat.com

سارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اگلا مسئلہ ترقی پذیر ممالک میں ناخواندگی کا ہے' دیکھا جائے تو اگلے وقتوں میں بہت ہی کم افراد لکھے پڑھے ہوتے تھے اور ایک بہت بڑا طبقہ تعلیم سے نا آشنا چلا آ رہا تھا لیکن چونکہ وقت کی اقدار میں تبدیلی آتی رہتی ہے جس کے تحت آج کے ماحول کا تقاضہ ہے کہ لوگ لکھے پڑے ہوں تاکہ وہ صفائی کا خیال رکھیں ماحول کو گندہ نہ کریں تاکہ بیماریاں نہ پھیلیں ناخواندہ لوگوں کو صفائی کا اتنا خیال نہیں ہوتا وہ نہائت گندی جگہ پر بھی اپنی رہائش اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے آس پاس گندگی پھیلاتے رہتے ہیں۔ انسانی ماحول کو پاک صاف رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایا جائے اور ملازم پیشہ افراد کیلئے تعلیم یافتہ ہونا بھی وقت کی اشد ضرورت ہے آئندہ زمانے میں وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب ان پڑھ آدمی کی سوسائٹی میں کوئی جگہ نہیں ہو گی لیکن یہ مسئلہ عام قسم کے مسائل کی طرح کا نہیں ہے اگر روئے زمین پر کسی علاقے میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد ان پڑھ افراد پر مشتمل ہے اور انہیں تعلیم دینے کی طرف صاحب اختیار طبقہ دھیان نہیں دیتا تو اس سے کائنات میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہو گی اگر کوئی نقصان ہو گا تو انسانوں کا البتہ یہ ضرور ہے کہ اس علاقے کے ارباب اختیار کیلئے باعث شرم ضرور ہو گا کہ انہوں نے بے شمار لوگوں کو ان کے حق سے محروم کر رکھا ہے کیونکہ موجودہ عہد میں قوموں کی سطح پر یہ بہت بڑا جرم ہے۔ کچھ لوگ مذہب کی آڑ میں غریب اور ان پڑھ لوگوں کا استحصال کرتے ہی رہتے ہیں اور باقاعدہ ان کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ان کے مقدر میں یہی کچھ لکھا گیا ہے اور خدا جس حال میں رکھے اسی میں رہنا چاہیے۔ لیکن خود ان کا استحصال کرتے رہتے ہیں اور ان سے خدمت لیتے رہتے ہیں اس مسئلے کی طرف تمام ممالک کے ارباب بست و کشاد کو توجہ کرنی چاہئے اور ایسے حالات پیدا کرنے چاہیے کہ ہر بچہ سٹیٹ کے خرچ پر بنیادی تعلیم حاصل کرے۔

حکومتی سطح پر بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں عوام میں تحریک (Motivaiton) پیدا کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے ایسی صورت میں ان پڑھ لوگوں

Marfat.com

کے پاس جا کر کئی کئی نشستوں میں ان کو قائل کرنے کیلئے بہت سارا وقت اور روپیہ خرچ کرنا ہو گا لیکن پڑھے لکھے لوگوں کو ذرائع ابلاغ کے توسط سے ہی قائل کیا جا سکتا ہے اور پھر کسی مسئلے پر لکھے پڑھے لوگوں کو ذہنی طور پر Educate کرنا بہت آسان ہوتا ہے جبکہ ان پڑھ افراد اپنی کسی روایت سے ہٹنے کیلئے تیار ہوتے ہی نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی فرسودہ روایات کو اپنے باپ دادا کی طرف سے اپنی وراثت تصور کرتے ہیں اور انہیں ترک کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ چاہیے ان کے بدلے انہیں نقصان اٹھانا پڑے اس مسئلے کو تھوڑے وقت میں خوش اسلوبی سے حل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ صاحب اقتدار طبقہ روا داری سے کام لے۔ لوگوں کے قریب آکر ان کے مسائل سنے جائیں اور ان کے مسائل انہیں کے ہاتھوں حل کروانے کیلئے ان میں گھل مل کر ان کا حوصلہ بڑھایا جائے اس طرح ان کے اندر کا خوف ختم ہو جائے گا اور وہ دن رات کام کریں گے اس طرح مشکل سے مشکل مسائل کے حل بھی نکلنا شروع ہو جائیں گے یہ مقصد حاصل کرنے کیلئے صرف ایک ہی شرط ضروری ہے اور وہ یہ کہ انتظامیہ بددیانتی سے باز آجائے اور اپنے فرائض میں مخلص ہو۔ یہی وہ طریقہ کار ہے جس پر چل کر قوموں نے فلاح پائی اور زمانے میں سرخرو ہوئیں جو قومیں یہ راستہ اپنا لیتی ہیں ان کے افراد کے درمیان دولت کی تقسیم کا توازن خود بخود مطلوبہ سطح پر آجاتا ہے اور پوری قوم خوشحالی کی راہ پر چل نکلتی ہے۔ جس قوم کے افراد اپنی سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اس وقت وہاں کے لوگ ذہنی طور پر درختوں کی ان شاخوں کی مانند ہو جاتے ہیں جن شاخوں کو جس طرف انسان چاہے جھکا لے وہ ٹوٹیں گی نہیں بلکہ انہیں جس سمت میں جھکا دیا جائے وہ اسی سمت میں رہتے ہوئے بڑھتی رہتی ہیں اور ان کی روئیدگی و بالیدگی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہی صورت حال قوموں کی ہوتی ہے۔ جو لوگ با اختیار ہوتے ہیں عوام الناس کی باگ دوڑ ان کے ہاتھوں ہوتی ہے وہ جب چاہیں اور جس طرف چاہیں قوم کو چلا سکتے ہیں اگر وہ بد دیانت ہوں تو انہیں قوم کو بد دیانتی کا سبق دینے کی ضرورت نہیں ہوتی لوگ خود بخود بد دیانت ہو جاتے ہیں انسانی تاریخ شاہد ہے جو افراد اقوام عالم کے مصلح ہو گزرتے

Marfat.com

ہیں انہوں نے کبھی بھی عوام الناس پر فوج نئی نہیں کی تھی بلکہ ایسا ماحول پیدا کیا گیا جس میں لوگ اس بات کے منتظر ہوتے کہ جس کام کے کرنے کا اشارہ ملے وہی کام کیا جائے۔ ایسا ماحول، ایسے حالات اور عوام الناس میں ایسی صورت حال پیدا کر کے ہی قومی سطح پر مسائل حل کیے جا سکتے ہیں میں نے اوپر جن مسائل کا ذکر کیا ہے وہ سارے انسانی مسائل ہیں اور حل طلب ہیں بلکہ دن بدن سنگین صورت حال اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ لیکن وہ تمام اس وقت ہی حل ہو سکیں گے جب قوم کو مخلص انتظامیہ میسر آ جائے گی جو غلط کار لوگوں کا محاسبہ کرے گی اور ایسا ماحول پیدا کرے گی جس میں مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے اس ماحول میں لوگ ذاتی دشمنیاں بھی بھول جائینگے، آبادی کو کم کرنے کیلئے منصوبہ بندی پر بھی عمل کرینگے۔ خوراک کا مسئلہ حل کرنے پر بھی عمل درآمد ہوگا لوگ بچوں کو گھروں میں کام پر لگانے اور کارخانوں میں بھیجنے کی بجائے سکولوں میں بھیجیں گے، جہالت کی لعنت بیس سال میں ختم ہو سکے گی لوگ خوشحال ہوں گے تو افراتفری میں کمی واقع ہو گی۔

جیسے اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ انسانی سوسائٹی میں مسائل کے حل کیلئے پہلے ماحول پیدا کیا جائے غلط لوگوں کا احتساب ہو اور عوام الناس کو اعتماد میں لیا جائے اور جب مطلوبہ ماحول پیدا ہو جائے تو جن ٹیموں نے شروع میں علاقائی طور پر سروے کیا تھا اور حالات معلوم کئے تھے مسائل معلوم کئے تھے اب تک وہ ٹیمیں کیل کانٹے سے لیس اپنی مہموں کا آغاز کرنے کیلئے تیار ہو چکی ہوں گی۔ اب وہ میدان عمل میں اتریں گی اور عوام الناس کو اپنا منتظر پائیں گی۔ لوگوں کے اجتماعات میں بہت بڑی تعداد ایسے افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو تمام زندگی بڑی دل جمعی کے ساتھ محنت کرنے کے عادی ہوتے ہیں یہ افراد صرف مزدور طبقے سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان میں تمام شعبوں کے لوگ ہوتے ہیں سرکاری ملازمین میں چھوٹے عہدوں سے لے کر بڑے سے بڑے عہدے تک کے لوگ، کارخانہ دار، نجی شعبے کے ملازمین، ذاتی کاروبار کرنے والے اور دکانداروں تک کے لوگ بڑی جانفشانی سے کام کرنے والے ہوتے ہیں ان سب لوگوں کو صرف ایک چیز کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہے حوصلہ افزائی۔ ان کی دلجوئی کی جائے تو فولاد ہو جاتے ہیں یہ لوگ محنت سے کبھی جی نہیں چراتے لیکن کوئی شاباش کہنے والا بھی تو ہو۔ حکومت کے تمام وزراء اور تمام سرکاری اور نجی شعبوں کے

سربراہان اور کچھ بھی نہ کریں صرف کام کرنے والے افراد کی پیٹھ ٹھونک دیا کریں موقع پر پہنچ کر انہیں کام کرتا دیکھ لیا کریں تو ان کی اتنی سی بات سے ان کے حوصلے جوان ہو جاتے ہیں لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ اتنا کچھ بھی نہیں ہوتا۔

انسانی مسائل اور ان کا حل کے عنوان کے تحت جو باتیں ہوئی ہیں ان کو اگر ملکی اور قومی سطح پر لیا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ باتیں اجتماعی نقطہ نظر کے تحت کی گئی ہیں لیکن اگر ان کو گلوبل (Global) حوالے سے دیکھا جائے تو اس صورت میں یہ باتیں انفرادی حیثیت کی حامل ہوں گی کیونکہ یہ کسی ایک ملک کے مسائل ہیں جن کو دنیا کے حوالے سے انفرادی کہا جائے گا۔ جبکہ جن مسائل کو بین الاقوامی سطح پر شمار کیا جائے گا ان کی حیثیت اجتماعی تصور کی جائے گی اور بین الاقوامی مسائل کا ذکر کرنا اس لئے ضروری ہے کہ پورے گلوب پر جو کچھ ہو رہا ہے موجودہ عہد میں تمام ممالک پر اور تمام اقوام پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس حوالے سے دنیا میں دو طرح کے مسائل ہیں۔ ترقی یافتہ اقوام کے مسائل اور ترقی پذیر اقوام کے مسائل۔ ان دو طرح کے مسائل کی نوعیت مختلف ہے مثال کے طور پر ترقی یافتہ ممالک کا سب سے بڑا مسئلہ ان کی بالا دستی ہے جسے برقرار رکھنے کیلئے وہ بڑے سے بڑا رسک لینے کیلئے بھی ہر وقت تیار رہتے ہیں اور ان کی بالا دستی اسی صورت میں ہی برقرار رہ سکتی ہے جب ترقی پذیر ممالک ان کے دست نگر رہیں اگر تمام ممالک ترقی یافتہ ہو جائیں تو پھر ان کو کون پوچھے گا یہی وجہ ہے کہ طاقتور ممالک کمزور ملکوں کو مزید کمزور کرنے کیلئے آئے دن نئے نئے ہتھ کنڈے آزماتے رہتے ہیں۔ ظاہرا" تو وہ کمزور ملکوں کی مدد کرتے ہیں ان کو امداد بھی دیتے ہیں لیکن اندرونی طور پر کمزور ملکوں کے اندرونی معاملات میں اپنے آدمی بھیج کر مداخلت کرتے رہتے ہیں اپنی شرائط پر قرضے دیتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو امداد دیتے رہتے ہیں اور ان کے ذریعے کمزور ملکوں میں آئے دن فسادات کرواتے رہتے ہیں ان کا دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلحہ تیار کرنے کی فیکٹریاں لگا رکھی ہیں اگر وہ اسلحہ جو وہ تیار کرتے رہتے ہیں فروخت نہ ہو سکے تو اس صورت میں ان کی معیشت تباہ ہو سکتی ہے اس لئے' کمزور ممالک ان کے اسلحے کی منڈیاں ہیں ترقی پذیر ممالک ان کا بنا ہوا اسلحہ مجبورا" خریدتے ہیں اور بھی بہت ساری ضروریات زندگی تیار کر کے کمزور ممالک کے ہاں فروخت کرتے ہیں۔ حالانکہ

کمزور ممالک کو اپنی شرائط پر قرض دینا' ان سے سستے داموں خام مال خریدنا اور پھر اس سے سامان تیار کر کے اپنی مصنوعات انہیں ممالک کو مہنگے داموں فروخت کرنا انسانی سطح پر اخلاقی جرم ہے لیکن طاقتور ممالک کے باشندے کمزور ممالک کے باشندوں کے ساتھ یہی کچھ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ طاقتور ممالک کے پاس زندگی کی ضروریات بہتر سے بہتر اور وافر تعداد میں ہوتی ہیں جن کے ذریعے طالع آزما قسم کے لوگ جو ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں اپنی غریب اقوام سے غداری کر جاتے ہیں اور ہر طرح کی اطلاعات طاقتور ملکوں کو پہنچاتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ترقی پذیر اقوام اخلاقی پستی کا شکار ہو کر رہ جاتی ہیں اور ملک میں طواف الملوکی پھیل جاتی ہے لیکن ان برائیوں کا قدرتی طور پر ان ممالک پر بھی اثر پڑتا ہے جو ترقی پذیر ممالک کا استحصال کر رہے ہوتے ہیں وہاں کی انتظامیہ بھی اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر ہی یہ سب کچھ کرتی ہے جس کا نتیجہ انہیں بھی مختلف صورتوں میں بھگتنا پڑتا ہے جو برائی وہ دوسروں کے ہاں پھیلاتے ہیں اس کا کچھ حصہ ان کے ہاں بھی پہنچتا ہے۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ کسی ملک یا قوم کی ترقی کا دار و مدار وہاں کی انتظامیہ پر ہوتا ہے اگر انتظامیہ کے افراد مخلص اور دیانت دار ہوں تو وہ معاشرہ ضرور ترقی کرتا ہے اور وہ سوسائٹی غداروں پر بھی قابو پا لیتی ہے اس سلسلے میں روئے زمین پر موجودہ عہد میں سب سے اچھی مثال چائنہ کی ہے۔ جہاں ماوزے تنگ کی شکل میں اچھا لیڈر اور اچھی انتظامیہ میسر آ گئی۔ جس کی ابتدا اوپر سے ہوئی' ایک مخلص شخص کے ساتھ چند اور مخلص افراد مل گئے اور علاقے کے عوام کی قسمت سنور گئی۔ ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ ذرائع ابلاغ نے پورے گلوب کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کہ گلوب کی پوری آبادی پر ایک ملک کا گمان ہونے لگا ہے۔ تمام ممالک اس کے صوبوں میں بدلتے جا رہے ہیں۔ جہاں بہت ساری تہذیبوں پر مختلف حقیقتوں (Verities) کا گمان ہونے لگا ہے۔ اب تو یقین کے ساتھ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ مستقبل قریب میں پورا گلوب سچ مچ ایک ملک بن جائے گا۔ لیکن اس کام کی ابتدا بھی اوپر ہی سے ہو گی کیونکہ اسے اوپر ہی سے ہونا ہے اور وہ اس طرح کہ اب دنیا کی پہلے جیسی صورت حال نہیں رہی جب کئی کئی سال تک ایک ملک کے حالات دور دراز ممالک تک نہیں پہنچتے تھے اب صورت حال یہ ہے کہ جس دن کسی ملک میں کوئی اچھائی یا

برائی واقع ہوتی ہے اس کی اطلاع تمام ممالک تک اسی دن پہنچ جاتی ہے اس لئے طاقتور ممالک جس قسم کی تکلیف کمزور ملکوں میں پھیلائیں گے کسی نہ کسی حوالے سے خود اس سے متاثر ہوں گے اس لئے اب طاقتور ممالک کو طاقت کا استعمال کرنے کی بجائے عقل کا استعمال کرنا ہو گا اور دوسروں کو برائی سے بچانے کا مطلب خود برائی سے بچنا ہو گا اور اب پورے گلوب کو ایک ملک تصور کر کے اسے برائی سے پاک کرنا ہے جس کی ابتدا اوپر سے یعنی ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے ہونی چاہیے اور روئے زمین پر تمام انسانوں کے اندر کا خوف ختم کرنے کی ابتدا کرنا ہو گی۔ ہر انسان دوسرے انسان سے خوف زدہ ہے ہر طبقہ دوسرے طبقے سے خوفزدہ ہے ہر قوم دوسری قوم سے خوف زدہ ہے اور ہر ملک دوسرے ملک سے خوف زدہ ہے۔ انسانی سوسائٹی کی مذکورہ شکلیں روز اول ہی سے اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہیں لیکن لاکھوں سال گزر جانے کے باوجود خود کو محفوظ محسوس نہیں کرتیں اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود کو محفوظ کرنے کا سب کا طریق کار غلط ہے۔ آج تک انسان اسی زعم کا شکار چلا آ رہا ہے کہ تمام مسائل کا حل طاقت کے ذریعے ہی ممکن ہے جب کہ انسان کی یہ سوچ سرا سر غلط ہے اسی سوچ نے انسان کو جنگ کا راستہ اختیار کرنے کی طرف مائل کیا حالانکہ آج کے انسان کا عقل و شعور یہ بات اچھی طرح جان چکا ہے کہ تمام مسائل کا انفرادی، نجی، گروہی، قومی، ملکی اور بین الاقوامی حل ٹیبل ٹاک میں ہے نہ کہ قوت کے استعمال میں۔ اس لئے اب اس کام کی ابتدا ترقی یافتہ ممالک کو کرنی چاہیے۔ اس وقت جتنے بھی سنگین قسم کے مسائل بعض ممالک کو در پیش ہیں اگر طاقت ور ممالک

نیک نیت ہوں اور چاہیں کہ وہ سنگین اور جان لیوا مسائل حل ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مسئلے حل نہ ہوں۔ ایٹمی طاقتیں ویٹو کا حق استعمال نہ کریں صرف ووٹ کے ذریعے ہی مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت ساری دنیا میں کوئی بھی ملک ایسا نہیں ہے جو ہر لحاظ سے خود کفیل ہو۔ سب کو کسی نہ کسی شعبے میں دوسروں سے مدد لینا پڑتی ہے۔ تجارتی طور پر سارے ممالک ایک دوسرے سے لین دین کرنے پر مجبور ہیں اس لئے کسی بھی ملک کو ٹیبل ٹاک کیلئے مجبور کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ یو این او کی عدالت فعال ہو جائے۔

Marfat.com

فطرت میں سب برابر ہیں

اس کرہ ارض پر زندگی کی لاکھوں اقسام پائی جاتی ہیں جن میں کمی بیشی تو ہوتی رہتی ہے لیکن ان کے بارے میں جو بھی معلومات ہیں وہ سب انسان کی مہیا کردہ ہیں جن پر انحصار کرنا ضروری ہے کیونکہ ابھی تک کوئی اور ذریعہ ہے ہی نہیں جس کے تحت کسی بھی قسم کی کوئی معلومات دستیاب ہو سکے اس لئے انسان جو کچھ بھی کہہ رہا ہے اس پر بھی یقین کرنا پڑتا ہے اس کے علاوہ انسان اپنی نوع کے بارے میں جتنا کچھ جان سکا ہے وہ بہت ہی کم ہے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو انسان کی منزل ابھی بہت دور دکھائی دیتی ہے کیونکہ جیسے جیسے انسان کا علم بڑھ رہا ہے ویسے ویسے اس کائنات کی وسعت بھی بڑھ رہی ہے جب انسان اس کرہ ارض کو مرکز کائنات خیال کرتا تھا تو اس وقت وہ بڑے بڑے دعوے کرتا تھا اور خود کو سیاہ و سفید کا مالک سمجھتا تھا لیکن جب سے اس کو اس کائنات کی وسعت بیکراں سے آگہی حاصل ہوئی ہے اسے اپنی ہستی اس قدر معمولی اور ایک چھوٹی سی چیز لگنے لگی ہے کہ اسے اب اپنا وجود لامحدود universe میں نہ ہونے کے برابر نظر آنے لگا ہے یہ اتنی بڑی تبدیلی ہے جس نے انسان کی سوچ کو یکسر بدل کے رکھ دیا ہے اور اب انسانی ذہن کا ارتقائی محور ہی تبدیل ہو رہا ہے ماضی کا انسان اس کائنات کو کسی اور نقطہ نظر سے دیکھتا تھا لیکن آج کا انسان جہاں ایک طرف حد سے زیادہ مایوس کن ذہنی حالت کا شکار ہے وہاں دوسری طرف خود اعتمادی کی انتہا کو چھونے لگا ہے آج کے انسان کو سوسائٹی کی ناہمواریوں نے ایک نئے انقلاب سے دوچار کر دیا ہے۔ آج کی موجودہ تین نسلیں عجیب قسم کے تذبذب کا شکار ہیں بڑی عمر کے لوگ اب بھی خود کو ہی تمام مسائل کے حل کرنے کا اہل خیال کرتے ہیں جوان نسل ان کو تمام برائیوں اور قباحتوں کا ذمہ دار قرار دے رہی ہے اور نئی پود اپنی شعوری ناپختگی کی وجہ سے انسانی سوسائٹی میں حد سے زیادہ اونچ نیچ کے فرق کو قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ

Marfat.com

نظریاتی تصورات اور سائنسی معلومات کے درمیان کسی بھی طرح کی ہم آہنگی عملاً" نظر نہیں آتی۔ یہ ساری صورت حال اپنی جگہ ایک سچائی کی شکل میں موجود ہے تاہم ہزاروں سال کے تجربات نے بہرحال انسان کے لئے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کئی اعتبار سے معلومات کے خزانے مہیا کر دیئے ہیں اور اپنے تجربات کی روشنی میں اس نے روئے زمین پر اب تک جو کچھ کر دکھایا ہے بیشک وہ بھی ایک نئی کائنات کی دریافت سے کم نہیں ہے لیکن اس خدشے کو کسی سطح پر بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کہ انسان اپنی متعین کردہ منزل کے حصول سے پہلے ہی اپنی ہستی سے ہاتھ دھو بیٹھے اس خدشے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن میں یہاں ان دو کا ذکر کر رہا ہوں جو خاص طور پر نمایاں نظر آرہی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ Universe کے نظام شمسی میں کسی قسم کی تبدیلی کے باعث ہماری زمین اپنی محوری گردش سے ہٹ جائے یا کوئی اور Planit اپنا راستہ ترک کر کے ہماری زمین سے آ ٹکرائے ایسی صورت میں پوری کائنات میں یا اس کے نظام میں تو کوئی خاص فرق نہیں پڑیگا لیکن اس کرہ ارض کی ہیئت تبدیل ہوجائیگی اور اس پر جو زندگی اس وقت موجود ہے یہ ختم ہو جائے گی۔ ویسے تو ایک دن ایسا ہونا ہی ہے کیونکہ قانون فطرت کے مطابق خلا کے اندر گردش کرنے والے سیارے کسی وجہ سے آپس میں ٹکرا کر ٹوٹ سکتے ہیں اور اپنی ہیئت تبدیل کر سکتے ہیں۔ یہ بات بھی انسانی علم میں ہے کہ ہر جاندار چیز اپنی ہیئت تبدیل کرتی ہے اور وہ اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی بالکل اسی طرح خلا کے اندر جو سیارے محو گردش ہیں وہ سب انفرادی طور پر جاندار ہیں اور ان کو محض فنا سے ہمکنار ہونا ہی ہے۔ "اس موضوع پر کسی اور مقام پر بحث کی جائیگی کہ سیارے کیسے جاندار ہیں" انسانی زندگی یا اس کرہ ارض پر تمام زندگی کے معدوم ہو جانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ تاریخی تناظر میں انسانی زندگی کا جائزہ لینے سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ انسان جہاں کائنات کے رازہائے خفتہ کو بیدار کر رہا ہے وہاں اپنے ایک جبلی اور لاشعوری احساس کے تحت اپنی ہی نوع سے خوفزدہ ہے جس کے باعث اپنی شعوری کوششوں کو استعمال میں لاتے ہوئے اسلحہ کی صورت میں روئے زمین پر زندگی کو تباہ

Marfat.com

کرنے کا مواد بھی بڑی سنجیدگی سے اکٹھا کر رہا ہے جس کا نتیجہ کسی بھی اعتبار سے زندگی کیلئے مثبت اثرات کا حامل نہیں ہوسکتا اس لئے اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ انسان خود ہی کرہ ارض پر تمام زندگی کے خاتمے کا باعث بن جائے کیونکہ انسان جس کائنات کا حصہ ہے یہ امکانات کی دنیا ہے اس زمان و مکان میں کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے' ہوتا رہا ہے' ہوتا رہتا ہے اور ہوتا بھی رہے گا۔ اگر یہ کرہ ارض ایسے حوادث سے محفوظ رہے جو انسانی زندگی کے خاتمے کا باعث ہوسکتے ہیں اور انسان سائنسی شعبے میں اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ آگے بڑھتا رہے تو اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ تسخیر کائنات کے تصور کے تحت انسانی زندگی کی بقا کی راہیں تلاش کر لی جائیں۔ جیسا کہ سائینسدانوں کا خیال ہے کہ اس زمین کی طبیعی زندگی کروڑوں سالوں پر مشتمل ہے اس لئے اس طویل عرصہ میں انسانی ذہن بے شمار معجزانہ کارنامے سرانجام دے سکتا ہے بشرطیکہ اس کو پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ کام کرنے دیا جائے اور اس کام میں اسے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

انسانی ذہن کا ارتقائی عمل تو ہزاروں سال پہلے شروع ہوگیا تھا اور اس ارتقائی عمل کی مخالف قوتیں بھی ابتدا ہی میں پیدا ہوگئی تھیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو جہاں اپنی بقائے حیات کے سلسلے میں قدرتی آفات سے جنگ کا سامنا رہا ہے وہاں اسے ذہنی ارتقا کے راستے میں جس بہت بڑی Opposition سے واسطہ پڑا ہے وہ اس کی خود اپنی ہی نوع ہے جو انسان کیلئے ہر دو میدانوں' بقائے حیات اور تسخیر کائنات کی راہوں میں رکاوٹ کا باعث بنتی رہی ہے۔ دراصل انسانی ذہن کچھ اس طریقے سے فروغ پذیر ہوا ہے کہ شروع زمانہ ہی سے ایک طرف تو اسے انفرادی تحفظ کی فکر دامن گیر رہی ہے اور دوسری طرف وہ فرد پرستی کا شکار رہا ہے۔ انفرادی تحفظ کی تلاش تو بچے کے پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے اور آخری دم تک انسان شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر اپنے لئے تحفظ کی تلاش میں رہتا ہے ذاتی یا انفرادی تحفظ انسانی جبلت کا ایک ایسا وصف ہے جس کی تکمیل کسی بھی اعتبار سے ممکن نہیں ہے جبکہ انسان تمام زندگی اسی کوشش میں رہتا ہے کہ اگر وہ بچہ ہے تو

سب کی توجہ کا مرکز وہی رہے دوسرا بچہ اس کے کھلونوں کو ہاتھ نہ لگائے اگر وہ سکول جاتا ہے تو اس کی یہ فطری خواہش ہے کہ گھر والے اس کے کام کی تعریف کریں اساتذہ بھی باقی بچوں کے مقابلے میں اس کو زیادہ اہمیت دیں کلاس میں اس کی پوزیشن باقی بچوں سے بہتر ہو اس کے نمبر سب سے زیادہ ہوں اس کو سب سے زیادہ پیار ملے اس کے دوست بھی اس کی تعریف کریں اگر وہ کالج پہنچ گیا ہے تو وہاں بھی اس کی وہی خواہشات ہیں اور جب وہ فارغ التحصیل ہو کر نکلے تو اس کی پوزیشن تمام طلبا میں سے بہتر ہو۔ اگر وہ ملازمت میں آگیا ہے تو تمام ملازمین اس کی بات سنیں اس کو تمام ملازمین پر فوقیت حاصل رہے اب وہ جوان ہوگیا ہے اس کی شادی ہو اور اس کی رفیق حیات حسن و جمال کے اعتبار سے لاکھوں میں ایک ہو اور وہ اس سے اتنی محبت کرے کہ ہر وقت اس کے انتظار میں رہے اس کے اشاروں پر ناچے اس کی اپنی کوئی خواہش نہ ہو اور وہ ہر وقت اس کی تمام خواہشات کا خیال رکھے اگر وہ باپ بن گیا ہے تو اس کے بچے بڑے خوبصورت ہوں بڑے تابعدار ہوں ہر وقت اس کے حکم کے منتظر رہیں اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں اور اگر وہ بوڑھا ہوگیا ہے تو تمام گھر والے ہر وقت اس کی خدمت پر مامور رہیں اور کاروبار حیات کو اس کی خاطر تیاگ دیں اور جیسے بھی ہو اس کو موت کے منہ میں جانے سے بچالیں لیکن ایسا ہو نہیں سکتا کیونکہ فطری عمل کا تسلسل روکا نہیں جاسکتا جس کے تحت انسان خاک سے نمودار ہوتا ہے اور پھر سے خاک میں جا ملتا ہے۔ یہ ہے وہ انسان کا جبلی وصف جو ہر بچی اور ہر بچے کے ساتھ ہی جنم لے لیتا ہے۔ یہاں غربت یا امارت کا کوئی سوال نہیں زندگی کے تمام پیشوں میں جانے والے بچوں اور بڑوں سب کی جبلت میں یہ خواہش موجود ہے اگر کوئی اچھا ہے تو سب سے اچھا ہونے کیلئے برائی کا راستہ اختیار کرنا پڑے تو بھی وہ اختیار کر کے سب سے اچھا کہلانا ہی مقصد حیات سمجھتا ہے برا ہے تو برائی میں نام پیدا کرنا چاہتا ہے اگر کوئی مزدور ہے تو سب مزدوروں کا سردار بن جانا چاہتا ہے اگر کوئی تاجر ہے تو سب تاجروں سے بڑا تاجر بننے کی دھن میں ہے اگر کوئی ڈاکٹر ہے تو اپنے وقت کا لقمان بننا چاہتا ہے اور اگر کوئی سیاست دان ہے تو آج بھی

Marfat.com

کروڑوں انسانوں کی لاشوں پر سے گزر کر صدارت مملکت یا وزارت عظمیٰ پر فائز ہونے میں فخر محسوس کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہر کوئی اپنے دائرہ اختیار میں اعلیٰ ترین پوزیشن کے حصول کی دھن میں ہی تمام زندگی بسر کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنی بعض کارروائیوں کے بارے میں کسی حد تک اطمینان محسوس کرتا ہے لیکن کچھ کام اس نے اپنی انا کو برقرار رکھنے کی خاطر بھی کئے ہوئے ہوتے ہیں جو عام طور پر داخلی ناہمواری اور بے چینی کا باعث بن جاتے ہیں انسان کی داخلی اور خارجی ناہمواری کئی اعتبار سے ایک فطری پراسیس کا نتیجہ ہے اور کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی عمل کے تحت ہو رہا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسان فطری عمل کا حصہ ہونے کے باوجود کئی اعتبار سے تمام زندگی سے بھی اور تمام کائنات سے بھی مختلف ہے کیونکہ یہ خود مختار ہے باشعور ہے اور ایک فطری جبر کے تحت جیتے ہوئے بھی جبر سے آزاد ہے جس کا اسے شعور بھی حاصل ہے۔ یہ شعور جن باتوں کا انسان سے تقاضا کرتا ہے انسان اس کی طرف مائل نہیں ہو رہا ہے اگر انسان ان تقاضوں کو اہمیت دے تو خود بھی خوش رہ سکتا ہے اور باقی تمام انسانوں کو بھی خوش رکھ سکتا ہے لیکن یہ ذمہ داری انسانی زندگی میں تمام افراد پر یکساں عائد نہیں ہوتی بلکہ جو افراد با اختیار ہیں انسانی زندگی کی بقا جن افراد سے وابستہ ہے ان پر یہ ذمہ داری سب سے پہلے آتی ہے اب اس مقام پر تفصیلات میں جانے سے ہو سکتا ہے بات کی وضاحت نہ ہوسکے اور میں ویسے بھی لمبی چوڑی ہدایات کا قائل نہیں ہوں اس لئے ایک اصولی نکتے کی طرف اشارہ کرنا ہی کافی خیال کرتا ہوں اور وہ نکتہ یہ ہے کہ انفرادی تحفظ منفی سوچ ہے اور اجتماعی تحفظ مثبت سوچ ہے جس کو اختیار کرنا چاہیے انفرادی تحفظ یہ ہے کہ ایک با اختیار فرد جتنے افراد کا تحفظ دل و جان سے کر رہا ہے ان کے علاوہ اگر وہ کسی کو نقصان پہنچا رہا ہے تو اس کا یہ عمل بھی انفرادی ہے کیونکہ اسے صرف وہی لوگ عزیز ہیں اُجتماعی تحفظ یہ ہے کہ آپ جس حد تک دوسروں کے کام آسکتے ہیں آپ ان کے کام آئیں اور کبھی بھی کسی انسان کو آپ سے نقصان نہ پہنچے اور دوسروں کو اپنے سے کم درجہ نہ سمجھیں فطری حوالے سے کوئی انسان کسی انسان سے کم درجہ پیدا نہیں ہوتا۔

Marfat.com

حیوان بھی ذہانت کا استعمال جانتے ہیں

ذاتی مفاد کے تحت حیوان بھی ذہانت کا استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اپنی مرضی کا کام کرنے کی صورت میں اگر انہیں ایسا کرنے سے روکا جائے تو وہ روکنے والے سے بچ کر یا چھپ چھپا کر بھی کر سکتے ہیں۔ حیوانوں کی اکثریت کو انسان اس طرح سدھا لیتا ہے کہ بعد میں ان سے ہزاروں کام کرواتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ حیوان بھی ذہانت کا استعمال جانتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں جو میرے ساتھ پیش آیا تھا میں سکول جانے سے پہلے مویشی چرایا کرتا تھا ان مویشیوں میں ایک بھورے رنگ کی بھینس ہوتی تھی جو باقی جانوروں کے مقابلے میں زیادہ چالاک تھی اس کا دستور یہ تھا کہ جونہی میرا دھیان کسی اور طرف ہو جاتا وہ میری آنکھ سے بچ کر فورا" قریب کے فصل والے کھیت میں جا پہنچتی اور جلدی جلدی فصل کھانے لگ جاتی اور جب میں آوازیں لگاتا ہوا اور بھاگتا ہوا کھیت کے قریب پہنچتا تو وہ کھیت سے نکل کر مجھ سے زیادہ تیز رفتاری سے بھاگتی ہوئی واپس مویشیوں میں پہنچ جاتی اور میرے ہاتھ نہ آتی۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ جب میری نظر اس بھینس پر پڑتی تو وہ کسی فصل والے کھیت کے قریب پہنچ چکی ہوتی میں فورا" آواز لگاتا اور اس کی طرف بھاگنا شروع کر دیتا لیکن وہ یہ اندازہ کر لیتی کہ میرے اور اس کے درمیان فاصلہ زیادہ ہے اور کھیت کے اور اس کے درمیان فاصلہ کم ہے اس لئے وہ بھاگ کر کھیت تک کا فاصلہ طے کر لیتی اور میرے پہنچنے تک جلدی جلدی فصل کھاتی رہتی اور میرے وہاں پہنچتے ہی وہاں سے بھاگ کر واپس جانوروں میں پہنچ جاتی۔ اس بھینس کی ان حرکتوں کی وجہ سے میری کئی مرتبہ پٹائی بھی ہوئی۔ یہ حال پرندوں کا ہے آپ انہیں بار بار فصل پر سے اڑاتے ہیں لیکن جونہی آپ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوئے وہ پھر آجاتے ہیں اور فصل اجاڑتے رہتے ہیں۔ انسان تمام پالتو جانوروں اور پرندوں کو سدھا لیتا ہے اور ان سے طرح طرح کے کام لیتا ہے۔ اگر ان میں ذہانت نہ

Marfat.com

ہو تو ان کے سدھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جتنے جاندار اور پرندے انسانوں کے قریب رہتے ہیں ان کی ذہانت پر کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا سوائے اس بات کے کہ بعض میں ذہانت زیادہ ہوتی ہے اور بعض میں کم کتا بلا شبہ انسان کی طرح ذہانت کا مالک ہے اور بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتا ہے جو عقل و شعور کے بغیر پایہ تکمیل تک پہنچ نہیں سکتے۔ ڈالفن سمندری جانور ہے جو نہائت ذہین مخلوق ہے وہ انسانی زبان بول تو نہیں سکتی لیکن سمجھ لیتی ہے یہ اس کی ذہانت کا ثبوت ہے گوریلا حرکات و سکنات کے اعتبار سے بالکل انسان ہے انسانی زبان پوری طرح سمجھ لیتا ہے ایک وقت آئے گا جب وہ انسانی لب و لہجے میں بات کرنے کے قابل ہو جائیگا اس کام پر کئی ہزار سال کا عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم سب جانتے ہیں کہ طوطا ہماری بات سمجھتا ہے جب ہم اسے کہتے ہیں "کہو میاں مٹھو چوری کھائی ہے" تو وہ اپنی آواز میں صاف طور پر کہتا ہے میاں مٹھو چوری کھائی ہے اور پھر تمام شکاری جانور اور پرندے باقاعدہ منصوبے کے تحت اپنے شکار پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ ذہانت کے تحت ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

جذبات و احساسات کے اعتبار سے تمام چرند' پرند محبت' غصے' خوشی اور غمی سے پوری طرح آشنا ہیں یہی حالت حشرات الارض کی ہے وہ بھی تمام کے تمام ذہانت کا استعمال جانتے ہیں اپنی اپنی نوع کی زبان بولتے ہیں اور سوال و جواب کرتے ہیں۔ یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ جانداروں میں بعض اقسام ایسی ہیں جن کو اگر انسان کا پورا پورا تعاون حاصل ہو جائے تو وہ اقسام مستقبل بعید میں انسان کی طرف شعور و آگہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

ABR-E-REHMAT LIBRARY
GUJRAT, KARACHI

Marfat.com

جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز نہیں ہوتا

جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے یہ ایک انگلش زبان کی کہاوت ہے جس کو ایک سچائی کے طور پر ساری دنیا میں استعمال کیا جاتا ہے۔ میں نے اپنی گزشتہ زندگی میں یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ تادم تحریر کسی انسان کو اس کہاوت کے خلاف کچھ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا۔ لیکن ہم سب اس حقیقت سے بھی آشنا ہیں کہ دو افراد' دو قبیلوں یا دو ملکوں کے درمیان کسی قسم کی بدگمانی پیدا ہوتے ہی گزشتہ خوشگوار تعلقات اور روابط کو پلک زدن میں مکمل طور پر بھلا دیا جاتا ہے اور جنگی جنون کے تحت دونوں طرف سے بہتان بازی شروع کر دی جاتی ہے اور نتیجہ جنگ کی صورت میں نکلتا ہے اگر جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے تو پھر جنگ اور محبت کے بعد جو نتائج سامنے آتے ہیں، وہ درست تسلیم کیوں نہیں کئے جاتے؟ جنگ میں لوگ مارے جاتے ہیں' عمارات تباہ ہوتی ہیں سڑکیں اور پل اڑا دیئے جاتے ہیں کھڑی فصلیں تباہ کر دی جاتی ہیں اور وسائل حیات بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور کئی کئی سالوں تک جنگ کے اثرات سے نجات نہیں ملتی۔ اس ساری کارروائی کو ظلم و زیادتی اور کھلی بربریت کہا جاتا ہے اگر جنگ میں سب کچھ جائز تھا تو بعد میں بھی اسے جائز ہی رہنا چاہئے تھا جب کہ ایسا نہیں ہوتا۔ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو جنگ و جدل کے ذریعے انسانی زندگی کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے۔ کیونکہ جو مسائل جنگ کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی گئی وہ کبھی حل نہیں ہوئے صرف وقتی طور پر کمزور فریق دب جاتا ہے یا خاموش ہو جاتا ہے اور چاہے اسے ہزاروں سال بعد موقع ملے وہ فریق انتقام ضرور لیتا ہے اس لئے یہ رٹ لگائے رکھنا کہ جنگ اور محبت میں سب جائز ہوتا ہے نہائت احمقانہ سوچ ہے جو بات غور و فکر کی دعوت عام کا درجہ رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ آخر دانشمند حضرات اس بات کی طرف کیوں دھیان نہیں دیتے کہ جس کام کے دور رس اثرات ہر حال میں نقصان دہ' تکلیف دہ اور شرمندگی کا باعث ہوں' تو اس سے بین

Marfat.com

الاقوامی طور پر کیوں گریز نہ کیا جائے' ویسے تو ہر نجی سطح پر بھی اس سے بچنا لازمی ہے لیکن چونکہ بین الاقوامی سطح پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے اثرات بلا واسطہ نچلی سطح تک پہنچتے ہیں اس لئے ان کا تدراک اگر اوپر والی سطح پر کیا جائے تو نجی معاملات پر خود بخود اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہونگے۔

پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ جنگ میں سب کچھ کیسے جائز ہے پھر دیکھیں گے محبت میں کیسے سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دو ممالک میں کوئی تنازع اٹھ کھڑا ہوا دونوں طرف سے بیان بازی شروع ہوئی پھر الزام تراشی ہونے لگی پھر سرحدی علاقوں میں ایک آدھ جھڑپ ہوگئی پھر فوجوں کو صف بندی کا حکم دیدیا گیا اور پھر جنگ شروع ہوگئی۔ دونوں طرف لاشوں کے انبار لگ گئے ذرائع ابلاغ کو نئے موضوع میسر آگئے اور دونوں ممالک کے اخبار' ریڈیو اور ٹیلی وژین تازہ خبریں نشر کرنے میں پیش پیش نظر آرہے ہیں ایک طرف کے ذرائع ابلاغ اپنے مرنے والوں کو شہید اور دوسری طرف کے مرنے والوں کو واصل جہنم کر رہے ہیں اور اسی کام میں دوسرے طرف کے ذرائع ابلاغ مشغول نظر آرہے ہیں۔ جنگ کو شروع ہوئے بہت دن گزر گئے ہیں میدان جنگ کئی ہزار مربع میل کے علاقے پر مشتمل ہے دور دور تک زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے دونوں طرف سے رسد پہنچانے والے ذرائع بمباری کی نظر ہو رہے ہیں افواج سخت مشکل میں گھر گئی ہیں کچھ کھانے پینے کو نہیں ملتا وہ وقت آن پہنچا ہے کہ فوج کے افراد بھوک اور پیاس اور جنگی معضرات کی وجہ سے مرجائینگے بہت سارے زخمی انہی وجوہات سے مر بھی گئے ہیں۔ اس صورت حال میں جو چیز کھانے کیلئے دستیاب ہے وہ مردہ جانوروں اور مردہ انسانوں کا گوشت ہے اور پینے کے لئے مخالف مردہ سپاہیوں کی چھاگلوں کا پانی' اگر وہ نہیں تو مشینوں کے ریفریجی ریٹروں کا پانی اگر وہ بھی نہیں تو انسانوں اور جانوروں کا پیشاب میدان جنگ میں ان چیزوں میں سے کسی کے بھی استعمال سے اگر زندگی بچ سکے تو بچائی جاتی ہے اور یہ بچائی جانے والی زندگی ان سپاہیوں کی ہوتی ہے جو مد مقابل افراد کی زندگی ختم کرنے کیلئے زندہ رہنا چاہتے ہیں یا ان کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ فوجی اور لڑائی کے نقطہ نظر کے

Marfat.com

تحت دھوکہ دہی کی حد میں کئی طرح کے فریب سے کام لینا قیدیوں کے ساتھ غیر اخلاقی برتاؤ کرنا مجرم کے طور پر ان سے غیر انسانی برتاؤ کرنا اور قیدی عورتوں کے ساتھ بد فعلی کرنا یا قریب کی بستیوں سے لوگوں کو لوٹ لینا وہاں کے باشندوں کا مال اسباب بمعہ ان کی عورتوں کے فوجیوں کے استعمال میں دے دینا تاکہ دیس کے رکھوالوں کی ضرورتیں اور خواہشات پوری ہو سکیں۔ یہ ہے وہ صورت حال جس کے تحت کہا جاتا ہے کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ یعنی عام حالات میں ہم جو کام نہیں کرتے عام حالات میں جو چیزیں کھانے پینے میں نہیں آتیں یا ہمارا دل و دماغ انہیں کھانا پینا گوارا نہیں کرتا جنگ میں اگر ضرورت پیش آجائے تو ایسا کر لینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ لیکن زمانہ قدیم سے یہ جو جنگ و جدل کا ظالمانہ فعل انسان سے سرزد ہو رہا ہے اس پر غور و فکر کر کے اسے ختم کر دینے کی طرف انسان ابھی تک نیک نیتی سے نہیں آیا

جہاں تک محبت میں ہر چیز جائزہ ہوتی ہے یا "محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے" کا تعلق ہے یہ کہاوت کسی بھی اعتبار سے محبت کے معیار پر پوری نہیں اترتی کیونکہ انسانی سوسائٹی میں یونیورسل اخلاقی اقدار سے گرا ہوا ہر فعل چاہے وہ محبت کے تحت یا کسی اور جذبے کے تحت سرزد ہونا جائز ہے اس لئے یہ کہنا کہ محبت میں سب کچھ جائز ہے سرا سر غلط بات ہے چاہے اسے بہت سارے لوگوں کی حمایت ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ جن اغلاط کو محبت سے منسوب کیا جاسکتا ہے وہ عام طور پر دو قسم کی ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ انسان اپنی ذہنی معصومیت کے تحت محبت میں غلط قدم اٹھاتا ہے جس کی مکمل ذمہ داری سوسائٹی پر عائد ہوتی ہے کہ صحیح رہنمائی کیوں مہیا نہیں کی گئی۔ دوسری قسم یہ ہے کہ انسان عاقل اور بالغ ہوتے ہوئے جذبہ محبت سے مغلوب ہو کر غلط قدم اٹھائے جیسے کچھ با اختیار لوگ کرتے ہیں یعنی جو چیز دل کو پسند آگئی اسے ہر صورت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے اس فعل سے ہزاروں قسم کی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ محبت نہیں ہوتی بلکہ یہ ہوس کا جذبہ کہلاتا ہے جو کہ قابل مذمت ہے اس کو محبت کہنا سرا سر غلط ہے۔ دو محبت کرنے والوں کو اپنی منزل تک پہنچنے کیلئے راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنا تو درست ہوتا ہے

Marfat.com

لیکن جو کوئی بھی ان کے راستے میں آئے اسے تہ تیغ کرنا تو محبت کے زمرے میں نہیں آتا۔ ایسی محبت کا ناکام ہو جانا بہتر ہے جس میں کئی زندگیاں قربان کرنا پڑیں جبکہ انسانی تاریخ میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ محبت کے نام پر خاندانوں کے درمیان' قبیلوں کے درمیان' علاقوں کے درمیان اور ملکوں کے درمیان باقاعدہ قتل و غارت کا بازار کئی کئی سالوں تک گرم رہتا ہے۔ کیا ہم اس تمام خون خرابے کو جائز قرار دیں؟ اسلامی نکتہ نظر کے مطابق حضرت آدم کے بیٹوں کے درمیان جو واقع وقوع پذیر ہوا اس کی بنیاد وہی بات ہے کہ جو چیز دل کو پسند آگئی اس کو حاصل کرنے کیلئے طاقت کا استعمال کرنا چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو۔

جنگ و جدل انسانی زندگی میں ایک ایسا فعل ہے جو کسی بھی حوالے سے درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا اب یہ بات ایک حقیقت کے طور پر اہل دانش مانتے ہیں کہ فتنہ و فساد کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتا اس لئے میں پوچھتا ہوں تمام دنیا کے ان مذہبی رہنماؤں سے جو جنگ میں اپنے مرنے والوں کو شہید اور مخالف فریق کے مرنے والے افراد کو حرام موت مرنے والے کہتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں تمام دنیا کے ان دانشوروں سے جو اپنے اپنے ممالک میں بیٹھ کر اپنے اپنے ملک کے حکمرانوں کے ایسے گھناؤنے اور مکروہ فعل کی حمائت کرتے ہیں اور اپنی حکومتوں سے تمغے وصول کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں دنیا کے تمام سائنسدانوں سے جو اپنی ذہانت کو جنگجو اور ظالم حکمرانوں کے کہنے پر انسانی فلاح و بہبود پر صرف کرنے کی بجائے نوع انسان کی تباہی اور بربادی کے لئے سامان حرب و ضرب پر صرف کرتے ہیں۔ وہ انسانی سوسائٹی جس میں جنم لے کر انہوں نے بہترین ماحول میں پرورش پائی' اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور زندگی کی بہترین سہولتیں حاصل کرنے کے باوجود جوابا" ایسا ظالمانہ فعل سرانجام دیے رہتے ہیں جس کے مضر اثرات انسان کی تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کو چشم زدن میں جلا کر راکھ کر دیں انسانی سطح پر اس سے زیادہ بھیانک اور مکروہ انسانی کردار کوئی نہیں ہوسکتا۔ ایک سرمایہ دار کچھ مزدوروں کا خون چوستا رہے' ایک جاگیردار کچھ ہاریوں کو روٹی سے محروم کرتا ہے ایک ڈاکو چند لوگوں کو لوٹتا ہے ایک قاتل کچھ لوگوں

Marfat.com

کو قتل کرتا ہے لیکن ایٹمی تباہ کن ہتھیار بنانے والا سائینسدان پوری انسانیت اور پوری زندگی' جس کو فطرت نے لاکھوں سال کی چمن بندی کے بعد رنگ و نور سے آراستہ کیا ہے' جس کی آب و تاب کو برقرار رکھنے کیلئے اربوں کھربوں انسانوں نے اپنے خون سے سینچا ہے' کی تباہی اور بربادی پر تلا ہوا ہے۔ کس قدر خوفناک کارکردگی ہے اس سائینسدان کی جو اپنے فعل کے نتائج پر غور ہی نہیں کرتا۔ تمام ممالک کے ذرائع ابلاغ جو ایٹمی اسلحہ کے خلاف برملا نہیں لکھتے اس تباہ کن منصوبے میں برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔

یہ کہاوت جس کو انسانی سوسائٹی میں ایک مشہور ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے اس کے پس منظر میں کس قدر خوفناک اور تباہ کن مفہوم ہے جس کے تحت بڑی سے بڑی برائی کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ یہ ضرب المثال جس زمانے میں وجود میں آئی ہوگی اس وقت کی ہزاروں روائتیں ہم ترک کر چکے ہیں کیونکہ ہمارے اس موجودہ عہد کیلئے وہ زہر قاتل کے مصداق تھیں اور یہ ان میں سے ایک ہے جسے ہر حال میں ترک ہونا چاہیے یہ ضرب المثل سچی محبت کرنے والوں کے کردار پر نہائت ہی بدنما داغ ہے جس کے تحت کہا جا سکتا ہے کہ ہر محبت کرنے والا انسان بڑی سے بڑی برائی کر سکتا ہے کیونکہ محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے جبکہ سچی محبت کرنے والے لوگوں سے تو پھول کی پتی کو بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ جس دل میں محبت جنم لے لیتی ہے وہ سراپا رحم اور آشتی بن جاتا ہے انسانی سوسائٹی میں محبت کی بہترین مثال ماں کی محبت ہے لیکن اگر ماں کی محبت تحکم کی شکل اختیار کر لے تو اسے محبت کا درجہ حاصل نہیں رہتا کیونکہ اب اس کی جگہ کسی اور جذبے نے سنبھال رکھی ہے۔ جب تک ماں کے دل میں سچی محبت موجود رہتی ہے وہ اپنی اولاد کیلئے باغ و بہار بنی رہتی ہے لیکن جب اس کے دل میں کوئی خواہش یا کسی روائت کی پاسداری پیدا ہو جاتی ہے تو سچی محبت داغدار ہو جاتی ہے اور وہی ماں دو متحارب فریقوں میں سے ایک کے طور پر سامنے آجاتی ہے۔ اس وقت ماں کی محبت انتقامی جذبے کا شکار ہو چکی ہوتی ہے اور اپنی خدمات کی قیمت وصول کرنا چاہتی ہے جس میں

Marfat.com

اسے اکثر ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ لڑائی کا نتیجہ ہمیشہ ہی غلط نکلتا ہے۔

سچی محبت اور جھوٹی محبت میں فرق یہ ہے کہ سچی محبت میں اپنی خواہشات کو قابو میں رکھ کر دوسروں کی خواہشات کا خیال کرنا پڑتا ہے اور جھوٹی محبت میں دوسروں کی خواہشات کو پس پشت ڈال کر اپنی خواہشات کی پرستش کی جاتی ہے اور انہیں پورا کرنے کیلئے جو کچھ بھی کرنا پڑے کیا جاتا ہے جو کہ سرا سر غلط ہے سچی محبت انسان کو کبھی غلط کام پر نہیں اکساتی بلکہ اسے تمام تعصبات سے پاک کرتی ہے اس میں انتقامی جذبہ پیدا نہیں ہونے دیتی جو کہ تمام فسادات کی جڑ ہوتا ہے موجودہ زمانہ علم و آگہی کا دور ہے آپ سب جانتے ہیں کہ کسی ایک انسان سے یا کسی ایک چیز سے محبت کرنے والے دو افراد میں جب مقابلہ ہو جاتا ہے تو سچی محبت کرنے والا آدمی' نوجوان' عورت یا مرد اپنی سچی محبت کا ثبوت یہ کہہ کر دیتا ہے کہ "محبوب' فرد یا چیز مجھے حاصل ہو یا نہ ہو لیکن وہ ہر حال میں سلامت رہے" لیکن جس کے دل میں جھوٹی محبت ہوتی ہے اس کا مقصد اس فرد یا چیز کا حصول ہوتا ہے لیکن وہ فرد یا چیز اگر اسے حاصل نہ ہو سکے تو وہ اس فرد یا چیز کو مٹا دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ لڑائی یا جنگ تو ایک ایسا فعل ہے جو ہر لحاظ سے ہے ہی غلط لہذا جنگ میں سب کچھ جائز ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور محبت جو کہ ہے ہی سلامتی کی علامت اس میں ناجائز کام کرنا کیسے درست قرار دیا جاسکتا ہے اس لئے یہ ضرب المثل کسی بھی اعتبار سے انسانی کردار کی عظمت سے منسوب نہیں کی جاسکتی روئے زمین پر جتنی بھی زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں جتنی بھی ایسی کہاوتیں یا ضرب المثال پائی جاتی ہیں جو کسی بھی لحاظ سے انسانی گفتگو میں نفرت و انتشار کا مفہوم رکھتی ہوں تمام زبانون سے خارج کر دینی ہونگی آج اگر کچھ لوگوں کو یہ بات عجیب لگے گی تو کل یہ وقت کی ضرورت بن کر سامنے آئے گی کیونکہ انسانی زندگی میں نہائت تیزی کے ساتھ ایسی صورت حال پیدا ہو رہی ہے جس کے دوران ہر سطح پر نفرتوں سے نجات کی صورت میں ہی انسانی بقا ممکن ہو سکے گی۔

Marfat.com

سانچ کو آنچ آتی ہے

انسانی سوسائٹی کی غالباً" تمام زبانوں میں کسی نہ کسی شکل میں یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے کہ "سانچ کو آنچ نہیں" حالانکہ جب یہ محاورہ وجود میں آیا ہوگا اس وقت سے لے کر آج تک یہ محاورہ اپنے معنوی وجود کو تسلیم نہیں کروا سکا اور نہ ہی کبھی کرواسکے گا کیونکہ انسانی ذہن میں ایک جذبہ روز اول ہی سے ارتقا پذیر چلا آرہا ہے وہ جب تک انسانی کردار کا حصہ رہے گا سانچ کو آنچ آتی ہی رہے گی وہ ہے حسد کا جذبہ جس سے انسان کبھی بھی نجات حاصل نہیں کر سکے گا۔ آیئے تاریخی تناظر میں اس محاورے کا جائزہ لیں مثال کے طور پر اسلامی نقطہ نظر کے مطابق قابیل اور ہابیل کا واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ سانچ کو آنچ آئی صحابہ کرام کو قتل کیا گیا سانچ کو آنچ آئی واقعہ کربلا اس بات کا ثبوت ہے کہ سانچ کو آنچ آئی' محمد بن قاسم کا اذیت ناک انجام تاریخ کے اوراق بلبلا رہے ہیں کہ سانچ کو آنچ آئی حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے ساتھ جو سلوک ہوا اس سے سانچ کو آنچ آئی' یونانی فلاسفہ نے سچ بولنا شروع کیا اور رازہائے کائنات معلوم کر کے ان کو خلق خدا پر افشاں کرنے کی طرح ڈالی تو ان کو مورد الزام ٹھہرایا گیا اور ان کو مصلوب کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دانشوروں نے سچ بولنا قصداً" ترک کر دیا اس طرح سانچ کو آنچ آئی۔ ہندو مائی تھولوجی کے مطابق رامائن کا قصہ یہ ہے کہ رام' لکشمن اور سیتا کو ۱۴ سال کا بن باس کاٹنا پڑا اور پھر آخری عمر میں سیتا کو اپنی فیملی سے الگ رہ کر زندگی گزارنا پڑی سانچ کو آنچ تو آئی مہا بھارت کی کہانی کے مطابق نیک سیرت اور بے تقصیر پانڈووں کو ۱۴ سال کا بن باس ملا سانچ کو آنچ آئی۔ یہ تو چند مثالیں ہیں جب ہم انسانی سوسائٹی کو تاریخ کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو انسانی زندگی میں قدم قدم پر سچ کو شکست اور جھوٹ کا بول بالا ہوتے دکھائی دیتا ہے یہ سب سانچ کو ہی تو آنچ آرہی ہے لیکن انسان نے پھر بھی یہی رٹ لگا رکھی ہے کہ سانچ کو آنچ نہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ فرض کریں کسی جگہ جھوٹ کو شکست

Marfat.com

ہوگئی اور سچ جیت گیا لیکن آپ یہ سوچیں کہ جھوٹ کے ثابت ہوجانے کی صورت میں اسے شکست کس طرح ہوگئی وہ تو پہلے بھی جھوٹ تھا آپ نے اگر جھوٹ کو جھوٹ ثابت کیا ہے تو کونسا تیر مارا ہے جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے سے جھوٹ ختم تو نہیں ہوا وہ اٹھ کر پھر چل پڑتا ہے اور کسی دوسری جگہ پہنچ کر سانچ کو آنچ پہچا دیتا ہے دراصل کبھی کبھار جھوٹ کو جھوٹ ثابت تو کر دیا جاتا ہے لیکن اسے ختم نہیں کیا جاتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جھوٹ کا ہر قدم سانچ کو آنچ پہنچانے کیلئے ہی اٹھایا جاتا ہے اس لئے جب تک جھوٹ کا وجود موجود ہے سانچ کو ہی آنچ آئے گی اور جب جھوٹ کا خاتمہ ہو جائے گا پھر شاید سانچ کو آنچ نہیں آئے گی۔ امید پر دنیا قائم ہے دیکھیں ایسا کب ہوگا' ہوگا بھی یا نہیں ہوگا۔

حیوان ناطق :۔ یہ بات منطقی اعتبار سے ثابت ہوتی ہے بلکہ ہو چکی ہے کہ انسان حیوان ہی کی ارتقائی صورت ہے۔ انسان کے بچے اور حیوان کے بچے کی جبلی خصوصیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں انسان کے بچے کو کئی سال تک بہت زیادہ Taime کیا جاتا ہے جب کہ یہ سہولت حیوان کے بچے کو میسر نہیں ہے لیکن میسر آ بھی جائے تو اسے کئی نسلوں تک کا سفر درپیش ہوگا کیونکہ انسان لاکھوں نسلوں کے بعد موجودہ مقام تک پہنچا ہے البتہ جس پراسیس کے تحت انسان ارتقا پذیر ہو رہا ہے اگر اس کے برعکس دیکھنا مقصود ہو تو لاکھوں سال کا پراسیس درکار نہیں ہوگا بلکہ صرف چالیس پچاس سال کا عرصہ درکار ہوگا اور یہی عقل و دانش کا پتلا انسان اس حیوانی سطح پر دیکھا جا سکے گا جس سطح سے ترقی کرتے کرتے وہ اپنی موجود حالت تک پہچا ہے۔ مثال کے طور پر انسان کے چند بچے کسی ایسی جگہ پرورش پائیں جہاں نہ وہ کسی انسان کو دیکھیں اور نہ وہ کسی انسان کی آواز سنیں ان کے ساتھ حیوان کے بچے بھی پرورش پائیں جنگل کا سا ماحول ہو سارا سال بہتا ہوا پانی موجود رہے پھل دار درخت بھی ہوں غاروں جیسے گھر بھی ہوں اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو چالیس پچاس سال بعد ان کی کم و بیش دو یا تین نسلیں وہاں موجود ہونگی اس کے بعد آپ بے شک ان کو وہاں سے اٹھا کر اپنی آبادیوں میں لے آئیں لیکن ان انسان نما حیوانوں کو دیکھ کر

Marfat.com

آپ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ واقعی انسان حیوان کے درجے ہی سے ترقی کرتے کرتے انسان کے درجے تک پہنچا ہے۔ یہ تجربہ بھی عین اسی طرح کا تجربہ ہے جس طرح کے ہزاروں تجربے ہم اپنی زندگی میں کرتے رہتے ہیں مثال کے طور پر ایک کتاب لکھنے میں اگر ایک سال کا عرصہ درکار ہے تو جب کتاب کا مسودہ تیار ہو جائے اسے پھاڑ کر پھینکنے میں چند منٹ کافی ہوتے ہیں۔ آپ ایک بہت بڑا محل تعمیر کرتے ہیں جس کو مکمل کرنے میں کئی سال کا عرصہ لگ گیا ہو۔ اگر اسے ختم کرنا مقصود ہو تو اس کی بنیادوں میں تھوڑا سا بارود رکھ کر جلا دیں چند لمحوں میں وہ مٹی کا ڈھیر ہو جائے گا' بالکل اسی طرح ساڑھے تین ارب سال کے طویل ارتقائی عمل کے نتیجے میں عقل و عرفان سے آراستہ انسان چند سالوں کے عرصہ میں ذہنی کیفیت کے اعتبار سے اپنی ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے گا اس طرح یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ انسان حیوانِ ناطق ہی ہے۔

جو لاکھوں سال کا سفر طے کرنے کے بعد انسان کا روپ دھار سکا ہے۔ بے شک اس کائنات میں انسانی نوع کا وجود میں آنا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن جہاں تک انسانی کردار کا تعلق ہے ابھی تک انسان کوئی ایسا مرحلہ طے کرنے میں کامیاب نہیں ہوا جس کو اس کے وجود میں آنے کے مرحلے کے ہم پلہ قرار دیا جاسکے۔ سوائے چاند پر اترنے کے جس کو انسانی ذہانت کے مقابلے میں ایک چھوٹا سا کارنامہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

مسلمانوں کی مسلسل زوال پذیری کے اسباب

اسلامی نکتہ نظر کے مطابق سب سے پہلا انسان حضرت آدم تھے جو کہ پیغمبر بھی تھے اور جنت میں رہائش پذیر تھے جہاں ان سے گندم کا پھل کھانے کی بھول ہوگئی جس پر ان کو جنت سے نکال دیا گیا اور اس زمین پر رہنے کا حکم ملا جہاں آج ان کی اولاد کروڑوں کی تعداد میں رہ رہی ہے لیکن انسانی تحقیقات اور معلومات ان نظریات سے متصادم ہیں اور جو تصادم حضرت آدم کی زندگی میں شروع ہوگئے تھے وہ آج بھی انسانی زندگی کا حصہ چلے آرہے ہیں۔ ان تضادات کی بنیادی وجہ ذہنی اختلافات ہیں جو کبھی ختم نہ ہونے کی صورت اختیار کر چکے ہیں کیونکہ ان اختلافات کو انسانی فطرت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔

موجودہ وقت میں اسلامی نظریات کے تحت ماضی بعید سے جو انسلاک آج واضح طور پر نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہودیت' عیسائیت اور اسلامی نظریات باقاعدہ تسلیم شدہ قوتوں کی صورت میں انسانی سوسائٹی میں موجود ہیں لیکن یہ تینوں اپنے اختلافی نظریات کے تحت برسرپیکار چلے آرہے ہیں ان تینوں مکاتب فکر کے علاوہ نمایاں طور پر ہندو مت اور بدھ مت کے پیروکار بھی بہت بڑی تعداد میں روئے زمین پر موجود ہیں۔ بدھ مت خدا کے بارے میں خاموش ہے لیکن باقی چاروں مکاتب فکر ناقابل تصفیہ اختلافات کے ساتھ خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں حیف ہے ان مکتبہ فکر کے رہنماؤں پر جو خود کو ایک خدا کے پیروکار ہونے کی دعویداری کے باوجود اپنی اپنی قوموں کو دوسروں سے جنگ و جدل کی تعلیم دینا ہی اپنا مقصد حیات سمجھتے ہیں جبکہ انسانی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انسان کے روحانی' جسمانی اور مادی مسائل آج تک جنگ کے ذریعے کبھی حل نہیں ہوئے۔ وقتی طور پر کسی طبقے یا قوم یا ملک کے رہنے والوں کو طاقت کے ذریعے مجبور تو کیا جاسکتا ہے لیکن یہ فعل کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ قومیں ہزاروں سال گزرنے کے باوجود اپنی شکست کو فراموش نہیں

Marfat.com

کرتیں تین سو چھیاسی سال پہلے محمود غزنوی نے مندروں کو تہس نہس کیا تھا آج بابری مسجد کا وجود مٹا دیا گیا ہے۔ خدا کی ذات نے کسی بھی حوالے سے نہ اس وقت خوشی کا اظہار کیا تھا اور نہ آج غصے کا اظہار کیا ہے۔ ایسی مثالوں سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے جس سے انسان کوئی سبق حاصل نہیں کرتا۔ جبکہ یہ بات قابل غور ہے کہ ابتدائے زمانہ سے انسان مختلف حیلوں اور بہانوں سے آپس میں لڑتا چلا آرہا ہے لیکن دن بدن مسائل سلجھنے کے بجائے اور الجھ رہے ہیں جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ مسائل کے حل کا یہ طریقے کار غلط ہے۔ انسان نے روئے زمین پر اپنے ہزاروں مسائل افہام و تفہیم کے ذریعے حل کئے ہیں اور آپ روزمرہ زندگی کی مثال لے لیں اور ایک گھر میں رہنے والے افراد کا وہی خاندان پر سکون زندگی بسر کرتا ہے جس کے افراد ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہیں اور سب کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔

مسلمانوں میں بہت بڑی بڑی شخصیتیں ہو گذری ہیں جن کے کارنامے تاریخ عالم بین الاقوامی سطح پر ہمیشہ یاد رکھے گی لیکن میں اس مضمون میں تاریخی حوالے سے ان چیدہ چیدہ خامیوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے میرے نقطہ نظر کے مطابق مسلمان Community زمانہ قدیم سے زوال پذیر چلی آرہی ہے۔ ہوس زر' ہوس اقتدار' اور نعرے بازی مسلمان قوم کی بنیادی کمزوریاں ہیں۔ جن میں مسلمان قوم دنیا میں پہلے نمبر پر ہے دوسرے نمبر پر ہندو قوم ہے تیسرے نمبر پر یہودی ہیں اور چوتھے نمبر پر باقی قومیں ہیں ہوس زر کی مثال اس وقت ہمارا اپنا معاشرہ ہے جو دولت حاصل کرنے کیلئے پوری دنیا کو ہیروئن مہیا کرنے میں پہلے نمبر پر ہے' ہوس اقتدار کے طور پر اسلامی تاریخ میں واقعہ کربلا کتنا بڑا ثبوت ہے' محمد بن قاسم کو واپس بلا کر قتل کرنا ہوس اقتدار اور انتقام کی آگ کا الاؤ ہے جو آج بھی کلمہ گو قبیلوں کے درمیان پوری آب و تاب کے ساتھ جل رہا ہے۔ مسلمانوں میں تیسری بڑی کمزوری ان کی نعرے بازی اور بڑھک بازی ہے آزادی کے فوراً" بعد سب سے پہلی بڑھک لیاقت علی خاں نے ماری تھی جس کو ہمارے ذرائع ابلاغ نے اتنی پذیرائی بخشی کہ ہمارے مذہبی اور

Marfat.com

سیاسی رہنماؤں نے اس بڑھک کو اپنی تقاریر کی زینت بنا رکھا ہے جس کا خمیازہ پوری قوم اب تک بھگت رہی ہے اور آئندہ بھی بھگتے گی کیوں کہ یہ نعرے بازی جاری ہے۔ یہ عوام کو بے وقوف بنانے کا سستا ترین نسخہ ایجاد ہو چکا ہے جو ہمارے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کا شیوہ بن چکا ہے۔ یہ روش بھی ہوس اقتدار کا حصہ ہے۔ مذہب اور سیاست دونوں سطحوں پر ہمارے رہنماؤں کی اکثریت علوم جدید اور سائنسی معلومات سے بے بہرہ ہے۔ چند قدم پیدل چلنا ان لیڈروں کے لئے کار محال ہے لیکن نعرے بازی میں ساری دنیا کو فتح کرتے رہتے ہیں۔ اپنے آباو اجداد کے کارناموں کی لمبی لمبی فہرتیں بنا کر ان کو تقریروں کا موضوع بنانا اس لئے اچھی بات نہیں ہے کہ خود ان جیسے کردار کے مالک نہیں ہیں۔ آپ خود جس کام کو کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس کام کے بارے میں نعرے بازی کرنا کسی کردار کے دیوالیہ پن کا ثبوت ہوتا ہے۔ یہ بات انسانی تاریخ میں ایک مصدقہ حقیقت ہے کہ جو لوگ بے عمل ہوتے ہیں وہ صرف نعرے بازی سے کام لیتے ہیں۔ آج مسلمان باقی قوموں کے مقابلے میں سب سے زیادہ بے عمل قوم ہیں کیونکہ انفرادی مثال اجتماعی کردار کی جگہ نہیں لے سکتی فردا" فردا" اچھے لوگ تو تمام طبقوں میں موجود ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ نعرہ "ہم ایک خدا اور ایک کتاب کو مانتے ہیں" ان کا منہ چڑھا رہا ہے ان کا یہ دعوی کس طرح درست ہو سکتا ہے جب کہ تمام دنیا ان کو سینکڑوں فرقوں میں بٹے ہوئے دیکھ رہی ہے یہ فرقے آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر عبادت تک نہیں کر سکتے۔ ان تمام تفرقہ بازیوں سے ان کے سیاست دان مسلمان قوم کے عوام کو آپس میں لڑا کر اپنا الو سیدھا کرتے رہتے ہیں اور مسلمان بحیثیت قوم بین الاقوامی سکرین پر "ذلتوں کے مارے لوگ" کے طور پر نظر آتے ہیں۔ نہ انہوں نے انگریزوں سے کوئی سبق حاصل کیا ہے نہ انہوں نے جاپانیوں سے کوئی سبق حاصل کیا ہے اور نہ انہوں نے چینیوں سے کوئی سبق حاصل کیا ہے۔ مرکز اسلام سے لے کر تمام دنیا میں جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی حکومتیں ہیں ان میں کوئی بھی نمائندہ حکومت نہیں ہے اس قوم کے قول و فعل میں بہت زیادہ تضاد ہے جس کی وجہ سے

Marfat.com

بین الاقوامی سطح پر ان کا کوئی قابل تعریف کردار نہیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کی طرح خاموش رہ کر کام نہیں کرتے جبکہ دنیا میں اقوام عالم کے ہم پلا ہونے کے لئے ان کی طرح خوموشی سے تخلیقی کام کرنے کی ضرورت ہے نعرے بازی کی نہیں۔ عظمت رفتہ کو آوازیں دینا بھی نعرے بازی ہے کیونکہ وقت کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں میں ایک اور بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ یہ خود کو بحیثیت ملت باقی قوموں سے خدا اور مذہب کے حوالے سے بہتر خیال کرتے ہیں یعنی ہچوما دیگرے نیست جب کہ انسانی سوسائٹی میں بحیثت قوم ان میں ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ ان کا ایک خود ساختہ تصور ہے جو مجموعی طور پر ان کے اپنے لئے ہی نقصان دہ بات ہے نوع انسان کے پاس بہت سارے ضابطہ حیات ہیں اور ان تمام ضابطوں میں سے وہی ضابطہ سب سے بہتر ہوگا جس پر مکمل عمل درآمد ہو رہا ہوگا انسانی زندگی کے ایسے تمام ضابطوں کا عوام سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا جو کتابوں کی زینت تک محدود ہو کر رہ جائیں۔ آنے والے وقتوں میں لوگ یہ نہیں دیکھیں گے کہ کونسا ضابطہ حیات بہتر ہے بلکہ اس ضابطے کو خود بخود اپنا لیا جائے گا جو عملی صورت میں پر سکون اور پر مسرت زندگی کی ضمانت کے طور پر سامنے آجائے گا جس کی کوئی تبلیغ نہیں کرے گا جس کو متعارف کروانے کیلئے لوگوں کو بلایا نہیں جائے گا بلکہ وہ ضابطہ حیات اپنے داعی افراد کی صورت میں چلتا پھرتا نظر آئیگا۔ اس ضابطہ حیات پر عمل پیرا لوگ کسی سے فریب نہیں کریں گے کسی کو دھوکا نہیں دیں گے کسی کو اپنے دام میں لانے کیلئے طرح طرح کے حربے نہیں آزمائیں گے کسی کو کسی بھی طرح کا لالچ دے کر اپنی طرف نہیں بلائیں گے۔ حور و غلمان کی داستانے نہیں سنائیں گے نیکیوں کا لالچ نہیں دیں گے۔ لوگوں کو ان جانے عذاب سے خوفزدہ نہیں کریں گے بلکہ پیار اور محبت کے پیکروں کو چلتے پھرتے دیکھ کر' روح پرور نغمے گاتی ہوئی اور دلنشیں انداز میں گفتگو کرتی ہوئی زبانوں کو سن کر اجنبی لوگ خود بخود ان میں شامل ہوتے چلے جائیں گے۔

فی زمانہ مسلمانوں کے مذہبی رہنما روحانیات کی تبلیغ کرتے ہوئے تھکتے نہیں

Marfat.com

ہیں لیکن عملی طور پر اس قدر مادہ پرست ہیں کہ دیدہ دانستہ طور پر کالا دھن جمع کرنے والوں، ہیروئن کا مکروہ کاروبار کرنے والوں سے تحائف اور نذر نیاز کی صورت میں جتنا مال آجائے صرف "جزاک اللہ" کے ایک فقرے سے پاک کر لیتے ہیں۔ اور خود کو ہر برائی سے بری الذمہ یہ کہہ کر قرار دیتے ہیں کہ رزق تو خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جن ذرائع سے چاہتا ہے بہم پہنچا دیتا ہے۔ ان کی روحانی تعلیم یہ ہے کہ نئی پود کی ناک میں نکیل ڈال کر ان کے ہاتھ میں دیدی جائے اور یہ تمام زندگی جیسے چاہیں ان کو چلاتے رہیں اور وہ تمام زندگی ان کی خدمت کرتے ہیں یہ سلسلہ صدیوں سے چلتا آرہا ہے جس کو برقرار رکھنے کیلئے سر توڑ کوشش جاری ہے اور وہ اس طرح کہ جب ان کے مرنے کے بعد نئی پود ان کی جگہ لے لیتی ہے تو وہ اپنی ناک سے نکلی نکال کر اگلی پود کی ناک میں ڈال لیتی ہے۔ اس مکتبہ فکر کے تحت ہر باپ یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد چاہے ساری دنیا کی مالک بن جائے اس کے حکم کے تابع رہ کر زندگی بسر کرے۔ جب کہ ایسی خواہشات میں بہت زیادہ تضاد ہوتا ہے اس لئے وہ قابل عمل نہیں ہوتیں جن کی وجہ سے اولاد کو مجبوراً" بغاوت کرنا پڑتی ہے انسان کے اسی وصف کو ذہنی اختلاف کا نام دیا گیا ہے۔ جبکہ ذہنی طور پر سوچنے کی آزادی روحانی غذا ہے فنون لطیفہ روحانیت ہے۔ حسن روحانیت ہے پیار اور محبت روحانیت ہے۔ خوبصورتی کی نمائش روح کی پرورش ہے دلنشین الفاظ میں گفتگو کرنا روحانیت ہے شاعری روح کی غذا ہے گیت گانا اور گیت سننا روحانیت ہے۔ دوسروں کے کام آنے سے روح خوش ہوتی ہے اپنے اپنے وسائل کے تحت خلوص نیت کے ساتھ دن بھر کام کرتے رہنا روحانیت ہے۔ مجھے کہا گیا "اگر تم نے ہمارے لئے یہ کام نہ کیا تو تمہیں سزا ملے گی" میں نے وہ کام کر دیا تھا کیونکہ ایسا کرنا میری مجبوری تھی لیکن اس سارے فعل کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔

پتھر کے زمانہ کے بارے میں جو شواہد ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت انسان بھی باقی جانداروں کی طرح زندگی گزارتا تھا کیونکہ اس وقت موجودہ زمانے کی صورت حال تو تھی نہیں کہ ۱۰۰ سو آدمی کام کریں دس پندرہ مزے سے بیٹھ کر کھائیں

Marfat.com

اس وقت تو بقائے حیات کے لئے انفرادی طور پر سب کو اپنی خوراک کیلئے بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہوگی البتہ اس وقت کا طاقتور انسان ضرورت پڑنے پر کسی کمزور انسان کو مار کر یقیناً کھا جاتا ہوگا کیوں انسان کے اس فعل کی مثالیں تو آج بھی ملتی ہیں لیکن جیسے جیسے انسانی ذہن ارتقا پذیر ہوتا گیا تو اس نے سوچا کہ کسی کمزور کو مار کر ایک ہی مرتبہ کھا جانے کی بجائے اس پر عقل کے ذریعے قابو پاکر ساری زندگی کے لئے اس کی کمائی کھائی جاسکتی ہے اس لئے اب طریق کار بدل گیا ہے اور ڈارون کے نظریئے کے مطابق Survival of the fittest کے اصول پر زندگی چل رہی ہے صرف طریق کار میں تھوڑی تبدیلی آگئی ہے۔ جو لوگ طاقتور ہیں انہوں نے باقی لوگوں کو مارنے اور ان کو لوٹنے کا انداز Sophisticated بنا لیا ہے جو لوگ حکومت چلا رہے ہوتے ہیں وہ خود کما کے نہیں کھاتے بلکہ وہ دوسروں کی کمائی کھاتے ہیں کیونکہ انصاف ان کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے اس لئے وہ عوام الناس کی کمائی کھانے کا قانون ہمیشہ نافذ کئے رکھتے ہیں دفاعی اخراجات کے طور پر لاکھوں کی تعداد میں فوجیں اور ان کے لئے اسلحہ تمام اخراجات عوام کی کمائی سے ہی تو پورے ہوتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بھی ملک کی ہر حکومت اپنے اخراجات پورے کرنے کیلئے عوام پر ٹیکس لگاتی ہے اور اس ٹیکس کی آمدنی سے حکومت کا کاروبار چلتا ہے اگر حکومت کے نمائندے مخلص اور دیانتدار ہوں یعنی جس حد تک لوٹ مار کو قانونی حیثیت حاصل ہو وہ اسی حد تک ہی رہیں تو خزانے کا صحیح استعمال سمجھ لیا جاتا ہے اور عوام کو سڑکوں' گلیوں' بازاروں' بجلی' پانی وغیرہ یا حکومت کی طرف سے مہیا ہونے والی تمام سہولتیں باسانی دستیاب ہوتی رہیں گی کیونکہ روئے زمین پر انسانی سوسائٹی میں یہی طریق کار رائج ہے لیکن اگر حکومت کی انتظامیہ کے افراد بددیانت اور کام چور ہوں گے تو ایک طرف تو خزانہ خالی رہے گا اور دوسری طرف مذکورہ بالا سہولیات عوام کو مہیا نہیں ہوگی بدقسمتی سے جب سے یہ ملک آزاد ہوا ہے یہاں کے حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں اور اس ملک پر غلط کار لوگوں کی گرفت دن بدن مزید مظبوط ہوتی جا رہی ہے جس کے نتیجے کے طور پر ایسا ہوتا ہے اگر ظلم اور زیادتی کسی معاشرے میں لگاتار طویل عرصہ تک

Marfat.com

جاری رہے تو وہ قانون کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو کہ پاکستانی معاشرے کا نصیب بن چکی ہے۔

مسلمانوں نے بہت سارے اوصاف خدا کی ذات سے منسوب کر رکھے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ خدا جن لوگوں کو زیادہ پیار کرتا ہے ان کو وہ ہمیشہ آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے پھر یہ تصور کہ خدا مسلمانوں کو غربت میں مبتلا کر کے اور کفار کو سونے چاندی کے گھر عنائت کر کے اپنے پیاروں کو آزماتا ہے لیکن موجودہ زمانے کے شواہد بتاتے ہیں کہ خدا کی ذات نے اپنے اس قانون میں ترمیم فرمائی ہے اور بین الاقوامی طور پر مسلمانوں کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نہیں تو ان کے برابر یا کچھ کم یا زیادہ دنیاوی دولت سے تو نواز دیا ہے۔ پھر بھی ہوس زر کا بھوت دوسروں کے مقابلے میں ان پر ہی کیوں زیادہ سوار رہتا ہے کیونکہ تمام مذہبی اور سیاسی رہنما دولت کے پیچھے ہی بھاگ رہے ہیں اور اپنے روحانیت پرست ہونے کے نعرے بھی لگاتے رہتے ہیں اور یہی قول و فعل کا تضاد ان کی جڑوں میں بیٹھ گیا ہے۔ بچوں کو تعلیم یہ دیتے ہیں کہ یہ زمین خدا کی ہے اس پر جتنے ملک آباد ہیں وہ سب خدا کے ہیں اور چونکہ خدا ہمارا ہے اس لئے تمام ممالک بھی ہمارے ہیں دوسری غیر مسلم قومیں جو باقی ملکوں پر قابض ہیں ہم نے ان سے جنگ کر کے ملک واپس لینے ہیں اس زبردستی کی بات کو کس روحانی یا اخلاقی تعلیم کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ آج کی دنیا میں اس طرح کا پرچار معصوم ذہنوں میں زہر بھرنے کے مترادف ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جنگ کے ذریعے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ انسان لاشعوری طور پر انسان ہی سے خوفزدہ ہے۔ اس خوف سے نجات پانے کیلئے دنیا کے تمام ذرائع ابلاغ کو ایک طویل عرصے پر محیط مجادلہ کرنا ہوگا مسلمانوں کو چاہئے کہ جنگ و جدل کا پرچار بند کر دیں کیونکہ یہ موجودہ وقت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے بڑھکیں مارنا اور نعرے بازی کرنا ترک کر کے عملی زندگی کا تمام شعبوں میں آغاز کریں یہی وہ ضابطہ حیات ہے جس کو روئے زمین پر آخر کار تمام قومیں اختیار کریں گی تو دنیا میں امن چین ہو گا۔

Marfat.com

آخری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں نے دنیا کی تمام قوموں سے دشمنی مول لے رکھی ہے اور دلی دوستی کسی سے بھی نہیں ہے جس کی بنیادی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ اسلام دنیا کا آخری مذہب ہے جس نے اپنے ظہور کے وقت اپنی بقا کے لئے جنگ لڑی اور کامیابی حاصل کی۔ ظہور اسلام سے لے کر اب تک کا عرصہ انسانی تاریخ کے حوالے سے بہت ہی مختصر دورانیہ ہے جس کے تمام محرکات' اکتسابات' پوری سرگزشت اور نتائج لوگوں کے سامنے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ جہاں انسانی سوسائٹی میں کئی وجوہات کی بنیاد پر' جنگ و جدل چلا آرہا ہے وہاں اسلامی نظریات نے جہاد' کے نام سے جنگ و جدل کی ایک نئی طرح' متعارف کروائی ہے جس کا شان نزول ہی اس وقت تک لڑنا ہے جس وقت فریقین میں سے ایک کو فتح اور دوسرے کو شکست ہو جائے۔ اس "طرح نو" نے انسانی سوسائٹی کو جس فکر کی دعوت دی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک مسلمان دنیا میں موجود ہیں جنگ و جدل جاری رہے گا دنیا کی باقی قومیں اس بات کا اعلان نہیں کرتیں لیکن یہ بات ان کے شعور میں ہے کہ اگر مسلمان گلوب کے کسی حصے میں طاقت میں آگئے تو باقی قوموں کا جینا حرام کر دیں گے کیونکہ مذہبی عوائد کی بالا دستی ہمیشہ فساد کا باعث رہی ہے لیکن اب اس کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور عقل و شعور کی بالادستی آنے والی ہے جس سے مسلمان قوم آشنا نہیں ہے۔ میں روئے زمین پر انسانی نوع کی فلاح کا داعی ہوں لیکن میرا **Origin** مسلمان قوم ہے اس لئے زمانے میں اس کا زوال میرے لئے دکھ کی بات ہے۔

* * *

Marfat.com

فلاسفہ حضرات کی کمزوریاں

فلاسفی یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے سیاق و سباق یہ ہیں "علم و آگہی کا حامل انسان جو فطری کیفیات اور مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرے" وہ فلسفی کہلائے گا انسانی زندگی کی ابتدا ہی سے ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم رہی ہے جس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن میرے نزدیک فلاسفہ حضرات نے ایک تو خود کو عوام الناس سے الگ تھلگ رکھا اور دوسرے اپنے نکتہ نظر کو مشکل ترین الفاظ میں بیان کیا۔ اس میں شعوری کوشش بھی کار فرما نظر آتی ہے کہ ایسا کر کے اس علم و دانش کے حامل طبقے کو انسانی معاشرے میں ایک بلند مقام پر متمکن رکھنا مقصود تھا۔ اس مقصد میں تو ان کو کامیابی ضرور ہوئی کہ ایک فلسفی کی تحریر کو اگر کسی نے پڑھا اور سمجھا تو وہ دوسرا کوئی فلسفی تھا لیکن ان کے نکتہ نظر کو زوال پذیر اس لئے ہونا پڑا کہ وہ عام لکھے پڑے آدمی کی سوجھ بوجھ سے بالا تر رہا' ایسا کرنے میں ان فلاسفہ کا زیادہ ہاتھ رہا جو ایک طرف تو فلسفی ذہن کے مالک تھے لیکن دوسری طرف متمول خاندانوں کے افراد ہونے کی وجہ سے فرعونی طبیعتوں کے مالک بھی تھے انہیں عام لوگوں کی قربت سے کوئی سروکار نہیں تھا ایسے تمام فلسفی ماضی کے امراء کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں جب کہ غربت و افلاس اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے فلاسفہ بھی ہو گزرے ہیں جنہوں نے محنت مزدوری کر کے اپنی روزی کمائی اور تمام زندگی اپنی Cause کا دفاع کرتے رہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب تک جتنے بھی فلاسفہ ہوئے ہیں کیا وہ کسی ایک "معلوم" پر بھی اتفاق کرتے ہوئے نظر آئے ہیں مثال کے طور پر آفرینش کائنات' انسانی ذہن' روح اور خدا ایسی پنہائیاں ہیں جن سے ابھی تک انسان پردہ نہیں اٹھا سکا لیکن ہم پڑھتے آ رہے ہیں کہ مختلف فلاسفہ نے اپنے اپنے نکتہ نظر کے مطابق مذکورہ بالا رازوں کے بارے میں اپنی اپنی حتمی آراء تحریر کی ہیں جن کی قیاس آرائی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہے۔

Marfat.com

فلاسفہ حضرات کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو ان سب کے ہاں اپنے اپنے نقطہ نظر کو ہی درست ماننے کا تعصب ملتا ہے اس سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان ابھی تک حقیقت مطلقہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اس کے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ کائنات کیسے وجود میں آئی انسان یہ بھی نہیں جانتا کہ انسانی ذہن کیا چیز ہے یا انسانی روح کیا چیز ہے یا خدا کس قوت کا نام ہے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاید انسان کبھی بھی ان حقائق سے آشنا نہ ہو سکے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تمام راز کبھی نہ کبھی انسان کے علم میں آ جائیں گے۔ لیکن کچھ فلاسفہ نے اس بارے میں بڑے بلند بانگ دعوے کئے اور کئی طرح کے حتمی فیصلے دیئے۔ کچھ لوگ آج بھی ان کے دعووں کا پالن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو لوگ ایسا کر رہے ہیں ان کے اپنے پاس چونکہ کہنے کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے وہ گھڑے میں کنکر ڈال کر ہلاتے رہنا بھی فلسفہ ہی سمجھ رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے جو ان کیلئے نہایت تکلیف دہ ہے کہ ہزاروں سال کی جد و جہد سے کیسے منہ موڑ لیا جائے۔

ادب میں کسی دانشور کے ذاتی کردار کو عام طور پر اچھالا نہیں جاتا البتہ حوالے کے طور پر اس کے اوصاف جیسے بھی رہے ہوں ان کا ذکر کر دینا کوئی زیادہ معیوب نہیں سمجھا جاتا لیکن جن اوصاف کا تعلق جنسیات کے ساتھ اتنا گہرا ہو کہ کسی دانشور کا کردار مجروح ہوتا ہو اور وہ دانشور ایسا کرے بھی جان بوجھ کر' اس کا تذکرہ لازم ہو جاتا ہے مثال کے طور پر افلاطون' نٹشے ارسطو اور شوپنہائر وغیرہ ایسے فلاسفہ تھے جو باقاعدہ طور پر عورت سے نفرت کرتے تھے جبکہ ان کے اس فعل کو ان کا سنگین نوعیت کا جرم قرار دیا جا سکتا ہے۔ افلاطون نے جہاں عورت کے حقوق کی بات کی وہاں یہ بھی کہا "خدا کا شکر ہے اس نے مجھے مرد بنایا ہے عورت نہیں بنایا"۔ افلاطون کے زمانے میں عورت پر بہت ساری پابندیاں تھیں جو اس کی نظر میں برائی تو تھی لیکن مرد ہونا افضل تھا اور عورت ہونا حقیر تھا۔ نٹشے نے عورت پر بہت سارے حملے کئے تھے ہالینڈ کی ایک لڑکی سے اسے عشق ہو گیا تھا جو کامیاب نہ ہو سکا اور وہ عورت

Marfat.com

کا دشمن ہو گیا۔ عورت کے بارے میں اس کے الفاظ ہیں "عورت مرد سے زیادہ چالاک اور خبیث ہے" اس نے تو اور بھی بہت کچھ کہا تھا لیکن میرے خیال میں اتنا بھی کافی ہے اب آپ ارسطو کی عورت کے بارے میں رائے ملاحظہ فرمائیں "مرد آقا ہے اور عورت کنیز ہے قدرت جب کسی کو مرد بنانے میں ناکام ہوتی ہے تو اسے عورت بنا دیتی ہے" اندازہ کریں جس ہستی نے ارسطو کو نو ماہ تک اپنے پیٹ میں رکھا وہ ناکام کوشش کا نتیجہ تھی۔ اپنے وقت کا اتنا دانشور تھا لیکن اس نے انسانی مسئلے پر کتنی گھٹیا رائے کا اظہار کیا تھا اور سوسائٹی کے میلان کو دیکھ کر اپنا فیصلہ دیا۔ اس نے سوچا خواہ مخواہ لوگوں کو اپنا دشمن کیوں بنایا جائے۔ عورت کا سب سے بڑا دشمن شوپنہائر ہر وقت کسی نہ کسی حسین و جمیل عورت کے پیچھے سائے کی طرح منڈلاتا رہتا تھا روایات فلسفہ صفحہ ۴۰ از علی عباس جلال پوری سے اقتباس "عورت کے خلاف زہر اگلنے والا یہ فلسفی ایک دفعہ سیاحت کے دوران روم کی ایک ماہ پارہ پر ہزار جان سے فریفتہ ہو گیا۔ ایک دن وہ محبوبہ کے ساتھ سیر کو چلا گیا تو راستے میں ان کی مڈبھیڑ بائرن سے ہو گئی اس کی محبوبہ بائرن کے مردانہ حسن اور رئیسانہ ٹھاٹھ کی اسیر ہو گئی اور شوپنہائر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ انانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی؟ انانیت کو کی جڑ کہنے والا یہ فلسفی نہایت خود بین اور خود پسند تھا کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا اپنے بعض مقالوں کے بارے میں کہتا تھا کہ یہ مقالے اس کو روح القدس نے لکھوائے تھے" شوپنہائر کے بارے میں کتابوں میں تو بہت کچھ لکھا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ انسانی رویوں کے اعتبار سے اچھا انسان نہیں تھا۔ میرا مطلب دانشور حضرات کی تحقیر نہیں ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن افراد کے نام کے ساتھ فلاسفر یا دانشور کا لفظ وابستہ ہے اور وہ خود بھی اس بات کا اظہار کریں کہ واقعی وہ اہل علم و فضل ہیں اور انسان کی توہین و تذلیل کا باعث بھی ہوں تو ہم ان کی فلاسفی اور دانشوری کو کیا کریں۔ یہ بات اس وقت بھی ثابت ہوتی تھی اور آج بھی حقیقت پر مبنی ہے کہ مرد نے صرف قوت میں زیادہ ہونے کے وصف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ مرتبے میں بھی اور علم و فضل میں بھی عورت کے مقابلے میں بہتر ہے اور پھر یہ بات تو بالکل

عیاں ہے کہ کبھی کسی عدالت نے تو یہ نہیں کہا ہو گا کہ وہ خود غلطی پر ہے اور جب عدالت ہی مرد خود ہو کیونکہ وہ عورت کے مقابلے میں طاقتور ہو اور روز اول ہی سے عدل و انصاف طاقتور کے ہاتھ میں رہا ہو تو اس صورت میں عدل و انصاف کی عدالت اپنے خلاف تو فیصلہ نہیں کرے گی بلکہ پہلے اپنے سارے حقوق محفوظ کرے گی پھر عدل و انصاف کا سلسلہ شروع ہو گا۔ یہ دستور روز اول سے چلتا آ رہا ہے کہ ڈاہڈے کے ہتھ ڈور۔

فلسفہ چونکہ مشاہدات و تخیلات پر مبنی ہوتا ہے اور کسی بھی انسان کا مشاہدہ کسی بھی چیز کے بارے میں اس چیز کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتا اس لئے اس نامکمل مشاہدے کی روشنی میں تخیلات کا مہیا کردہ معیار کیسے حرف آخر ہو سکتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی کے تمام فلسفہ دانوں نے جو کچھ کہا اس کے حرف بحرف درست ہونے پر زور دیا شاید انہوں نے اپنی انسانی کمزوریوں کو پس پشت ڈال کر سوچا ہو گا آج ہم اپنے وقت کی مصروفیات کو سامنے رکھ کر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ماضی کے لوگوں کے پاس ہمارے مقابلے میں فرصت کے لمحات بہت زیادہ ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فلسفے کی بہت زیادہ اصطلاحات ایجاد کیں اور پھر ایک ایک اصطلاح پر کئی کئی باب تحریر کر دیئے کون کہہ سکتا ہے کہ اس بحث پر کتنا وقت صرف ہوا ہو گا کہ "خیال پہلے ہے یا ارادہ پہلے ہے" لیکن جس فلسفہ دان نے جو بھی کہا اس پر خود ہی مہر تصدیق بھی ثبت کر دی کہ یہی حرف آخر ہے جب کہ اس کائنات میں حرف آخر کچھ بھی نہیں یہ تو لحہ بہ لحہ بدل رہی ہے نہ کچھ بن رہا ہے اور نہ ہی کچھ بگڑ رہا ہے بلکہ جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک عمل ہے جو جاری و ساری ہے اور اس عمل کو جاننے اور اس کے بارے میں آخری رائے قائم کرنے کیلئے انسانی ذہن بہت ہی چھوٹا معیار ہے اور اب تک انسان جتنا کچھ جان سکا ہے وہ بھی ناقص ہے۔ کائنات انسانی ذہن کی رسائی سے بہت ہی آگے تک پھیلا ہوا ایک بہت بڑا معمہ ہے۔

* * *

Marfat.com

امریکن صدر کے نام

ذیل کا مضمون دو حوالوں سے تحریر کر رہا ہوں ایک حوالہ کائناتی ہے جسے سائینسی حوالہ بھی کہا جا سکتا ہے اور دوسرا حوالہ انسانی ہے جسے سیاسی حوالہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ گویا میری کوشش یہ ہو گی کہ کائنات کے حوالے سے انسانوں کے بارے میں بات کروں۔

یہ کائنات کیسے وجود میں آئی کے بارے میں جو آرا ہیں ان میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ کائنات ایک حادثہ ہے جب یہ کائنات وجود میں آ گئی تو کوئی نہیں جانتا اس کے کتنا عرصہ بعد دوسرا حادثہ ہوا اور وہ حادثہ انسانی زندگی کا وجود میں آنا تھا۔ انسان کا سائینسی حوالے سے وجود میں آنا حادثہ اس لئے ہے کہ ایک موقع ایسا بھی تھا جب زندگی کی ہزاروں انواع کے درمیان ایک طویل دوڑ لگی ہوئی تھی جس میں کوئی ضروری نہیں تھا کہ انسان کے آباء کی نوع ہی دوڑ میں کامیاب ہوتی اس دوڑ میں کسی اور نوع کے آگے آنے کے امکانات بھی تھے اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ انسانی زندگی کا وجود میں آنا بھی ایک حادثہ تھا۔ ہماری یہ زمین اپنی آفرینش کے وقت ایسی نہ تھی جیسی آج کل ہے اور مستقبل میں کیسی ہو جائے گی اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا جو کہنے کی بات ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارے گلوب کی جو موسمیاتی صورت حال ہے جیسے جیسے باقی سیاروں کی موسمیاتی صورت حال ایسی ہوتی جائے گی وہاں بھی کسی نہ کسی شکل میں زندگی وجود میں آ جائے گی۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ خلائے بسیط میں بہت دور کہیں کسی اور گلیکسی میں کئی ایک

Marfat.com

سیارے ایسے ہوں جن پر اس وقت کسی نہ کسی شکل میں زندگی موجود ہو جو ابھی تک انسان کے علم میں نہیں آئی یہ بات کسی حد تک قابل یقین اس لئے ہے کہ ہماری یہ زمین چونکہ کائنات کا حصہ ہے اور اس پر زندگی موجود ہے لہذا جن سیاروں پر ہماری زمین جیسی موسمیاتی صورت حال ہو گی وہاں زندگی کا ہونا لازمی ہے۔

آج جہاں انسان نے ستاروں پہ کمندیں ڈالنا شروع کر دیا ہے وہاں سائنسی میدان میں اپنی تباہی کے سامان بھی کر رکھے ہیں اور اس تباہی اور بربادی کے ساز و سامان سے نجات حاصل کرنا انسان کیلئے وبال جان بن گیا ہے جس کے بارے میں یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ خود کردہ را علاج نیست اور یہ سب کچھ انسان کی اپنی غلط سوچ کی وجہ سے ہو رہا ہے جس کے تحت زندگی کی راہ میں ہزاروں مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ کچھ مسائل انسان کی غلط سوچ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں مثال کے طور پر انسان اپنی خواہشات پوری کرنے میں لگا ہوا ہے اور دوسرے کی خواہشات کا کوئی خیال نہیں کرتا۔ کچھ مسائل اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ ایک سوسائٹی دوسروں پر اپنا تسلط قائم کرنے کیلئے اپنے سارے وسائل ضائع کر رہی ہے اور کچھ مسائل نظریاتی گروہوں کے پیدا کردہ ہیں جو اپنے نظریات دوسروں پر مسلط کرنے کیلئے تمام زندگی خود بھی پریشان رہتے ہیں اور دوسروں کا چین بھی برباد کرتے ہیں۔ انسانی سوسائٹی میں نظریاتی تحریکیں بہت پرانی ہیں ابتدائی ادوار میں انسان آفاقی قوئی کو اپنا نجات دہندہ خیال کرتا تھا۔ ان کے سامنے نذرانے پیش کرتا تھا لیکن اگر کوئی ان کو ایسا کرنے سے منع کرتا تو وہ لوگ اس کے دشمن ہو جاتے اور بعض اوقات اس کو کڑی سے کڑی سزائیں دیتے اور پھر جان سے بھی مار دیتے۔ اب اس وقت کا انتظار ہے جب انسان اپنی سائنسی جدوجہد کے ذریعے کسی دوسرے سیارے پر زندگی تلاش کر لے گا اور کسی نہ کسی سیارے پر انسان آباد ہونے میں کامیاب ہو جائے گا تو ایسی صورت میں انسانی برادری کے بہت سارے توہمات اور تنگ نظری کے خیالات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اس طرح انسانی سوسائٹی کئی طرح کی الجھنوں سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی لیکن ایسا لگتا ہے کہ وہ وقت ابھی بہت دور ہے

Marfat.com

کیونکہ ایک نظریئے کے مطابق یہ ہماری کائنات خلائے بسیط میں ہر طرف پھیلتی جا رہی ہے اور انسانی وسائل جو خلاؤں کے طویل ترین سفر پر جانے کیلئے استعمال ہونے چاہیے۔ ان وسائل کی زیادہ مقدار جنگی جنون کی نذر ہو رہی ہے۔

تاریخی تناظر میں انسانی زندگی کے جائزے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس زمین پر جتنے بھی ممالک ہیں اور ان میں جتنی بھی مختلف مکاتب فکر کی تحریکیں ہیں وہ سب ممالک بھی اور تحریکیں بھی کسی نہ کسی حوالے سے آپس میں برسر پیکار ہی چلی آرہی ہیں۔ ان تمام ممالک اور تمام تحریکوں کے پیش نظر دو باتیں رہی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اپنی بقا کے لئے دوسروں سے لڑنا اور دوسری بات یہ کہ اپنے نظریات دوسروں پر مسلط کرنا اور اس مقصد کے لئے جنگ کرنا۔ ان باتوں کے بارے میں انسان کا تجربہ لاکھوں سال پر محیط ہے۔ ان خطوط سے ہٹ کر بین الاقوامی طور پر سوچنے کی کوشش انسان نے ابھی تک نہیں کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ انسانی ذہن ابتدائے زمانہ ہی سے ایک ہی سمت میں ارتقائی منازل طے کر رہا ہے کئی حوالوں سے دیکھا جائے تو انسان نے بے شک بہت زیادہ ترقی کی ہے لیکن چونکہ نظریاتی حوالے سے انسان اپنے آپ سے ہی لاشعوری طور پر خوفزدہ ہے اور پھر اس کی آگے کی طرف دوڑ بھی جاری ہے لیکن سوچ کے اعتبار سے انسان ایک Belt پر دوڑ رہا ہے جو پیچھے کی طرف چل رہی ہے مطلب یہ ہے کہ لاکھوں سال پہلے بھی انسان دوسروں کو اپنا دشمن خیال کرتا تھا۔ اور ان کو مار کر آگے بڑھنا چاہتا تھا آج بھی ذہنی طور پر وہیں کا وہیں ہے بلکہ دوسروں سے دشمنی کے تصور میں شدت زیادہ آگئی ہے۔ انفرادی طور پر بھی لوگ دوسروں کے دشمن ہیں اور بین الاقوامی طور پر بھی ملک ملکوں کے دشمن ہیں اور ہر طرف قتل و غارت کے بازار گرم ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی ذہن ایک ہی سمت میں سوچتا رہتا ہے کہ دوسروں کو ختم کیسے کرے جب کہ وہ خود بھی کچھ عرصے کا ہی مہمان ہوتا ہے۔ اس لئے انسانی سوچ یا اس کے ذہن کی سمت تبدیل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اگر کسی بات کو شعوری طور پر زیر غور لایا جائے تو اس میں اصلاح کے پہلو جلد سامنے آجاتے ہیں۔

Marfat.com

یو این او کا قیام بے شک انسانی تاریخ کا بہت ہی بڑا کارنامہ تھا لیکن اس ادارے کو بھی انسان اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق چلانا چاہتا ہے حالانکہ اگر اس آرگنائی زیشن کو مجبور نہ کیا جائے اور اسے اس کی حدود میں رہ کر کام کرنے دیا جائے تو دنیا میں یقیناً امن و امان ہو سکتا ہے لیکن جو ہو رہا ہے وہ کچھ ایسا ہے کہ عدالت کی عمارت بنا دی گئی اس میں جج صاحب کو بھی بٹھا دیا گیا لیکن جج صاحب کو مقدمہ سننے کے اختیارات نہیں دیئے گئے بلکہ باہر سے کوئی فیصلہ بھیج کر جج صاحب کو کہا جاتا ہے کہ اس فیصلے کا اعلان کر دیا جائے۔ یعنی ذہنی سوچ کی نہج وہی رہی لاشعور میں دوسروں سے خوف اپنی جگہ موجود ہے کہ نہ جانے کیا ہو جائے گا اس لئے ویٹو کی شکل میں فیصلہ پھر اپنے ہی ہاتھ میں رکھا گیا جب کہ اس وقت جتنی قومیں ایٹمی اسلحہ سے لیس ہیں انہیں تو کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں ان کی طرف تو کوئی منہ نہیں کر سکتا وہ پھر کیوں خوف کا شکار ہیں کبھی اس گلوب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور پھر طاقت کے توازن کا مسئلہ اٹھایا گیا پھر ایک تیسرے بلاک اور تیسری قوت کی خبریں شائع ہوتی رہیں مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کو مروا دیا گیا یہ سب کچھ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان اپنے آپ سے ہی خوفزدہ ہے لیکن اگر انسانی سوچ کی نہج تبدیل کر دی جائے تو خوف کا عنصر ہمیشہ کیلئے ختم ہو سکتا ہے بہرکیف اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اس پر زیادہ افسوس کرنا بھی لکیر پیٹنے کے مترادف ہو گا اس لئے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بحیثیت انسان کے اپنے اس گلوب پر ایسے حالات پیدا کریں جن کے تحت سائنسی تحقیقات پوری صلاحیتوں کے ساتھ جاری و ساری رکھی جا سکیں میرے خیال میں اس وقت امریکن صدر جناب بل کلنٹن اور ان کی انتظامیہ اپنے عوام کو اعتماد میں لے کر ان کے تعاون سے سائنسی میدان میں سب سے زیادہ اہم رول ادا کر سکتے ہیں کیونکہ اس وقت سائنسی اور انتظامی اعتبار سے اور کوئی ملک یا معاشرہ اس پوزیشن میں نہیں ہے جو انسانی سوچ کو تجرباتی طور پر ایک نئی نہج پر چلا کر اس کو کامیابی کی منزل تک پہنچا سکے۔ اس سلسلے میں میں نے دو باتوں کی بنیاد پر امریکن معاشرے کا انتخاب کیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ امریکن معاشرہ پوری

دنیا میں اثر و رسوخ رکھتا ہے اور طاقتور معاشرہ سمجھا جاتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ صدر بل کلنٹن صاحب ایک تو جمہوری ذہن رکھتے ہیں۔ انتخاب انہوں نے اس سلوگن کے تحت جیتا ہے کہ وہ پہلے امریکی عوام کی بہتری کی طرف توجہ دیں گے کیونکہ ساری دنیا سے لڑائی مول لینا ان کے فرائض میں شامل نہیں ہے اس لئے اگر وہ چاہیں تو میری گزارشات پر غور فرما سکتے ہیں لہذا میں اپنی تجویز دو حصوں میں مختصر الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ پہلا حصہ انتظامی امور کے بارے میں اور دوسرا تحقیقات کے بارے میں ہے۔

۱۔ یو این او کو مکمل اختیارات کے ساتھ کام کرنے کی اجازت ہونی چاہیے' ویٹو پاور کا خاتمہ ہونا چاہیے' ایٹامک اسلحہ ختم کر دیا جائے۔ فوجی اخراجات میں خودبخود کمی واقع ہونا شروع ہو جائے گی۔ صرف یو این او کی فوج اس لئے مضبوط بنا دی جائے تاکہ کسی بھی ملک کو کسی دوسرے ملک پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہو۔ بین الاقوامی سطح پر تمام فیصلوں کا اختیار یو این او کی عدالت کے پاس ہو۔ ہر مکتبہ فکر کے ماننے والوں کو ان کا اپنا طرز عمل اپنانے کی پوری آزادی ہو لیکن کوئی بھی' ملک' گروہ یا فرقہ جنگ جویانہ طرز عمل کا مرتکب نہ ہو تاکہ روئے زمین پر کسی بھی شکل میں لڑائی جھگڑے کو ہوا نہ ملے۔ پبلک کے کسی فرد کے پاس کسی بھی قسم کا اسلحہ نہیں ہونا چاہیے۔ متنازعہ علاقوں میں یو این او کے نمائندے موجود رہیں اور مختلف ممالک میں آتے جاتے رہا کریں تاکہ وہاں کی صورت حال سے آگاہی حاصل ہوتی رہے یو این او کی عدالت کی طرف سے قانوناً" رنگ و نسل اور ذات پات کا امتیاز ممنوع قرار دیا جائے۔ پورے گلوب پر بادشاہت کہیں نہ ہو صرف جمہوری طرز حکومت کو ہر ملک میں اپنایا جائے۔ نظام تعلیم ہر ملک کا اندرونی مسئلہ تصور کیا جائے اور وہاں کی اکثریت اپنا فیصلہ خود صادر کرے۔ جاسوسی کا نظام پوری دنیا میں سے ختم کر دیا جائے۔

۲۔ یو این او کے تحت ایک ادارہ قائم کیا جائے جس کا نام Institutue of Universe Phenomenology یا ہو۔ اس ادارے میں سائنسی تحقیقات کے بہت سارے شعبے ہوں۔ دنیا کے تمام ممالک اپنے اپنے سالانہ

بجٹ کا پانچ فی صد یو این او کے حوالے کیا کریں تاکہ اس کے تمام اخراجات پورے ہوتے رہیں اس کے علاوہ اہلیت کی بنیاد پر تمام ممالک سے سائنسدان اور باقی عملہ یو این او کیلئے لیا جایا کرے۔ وہاں کی ریسرچ لیبارٹریز پورے گلوب کی نمائندگی کریں اور نئی نئی ایجادات کی طرف توجہ دیں اور ان لیبارٹریز میں ایسے آلات اور راکٹ تیار کئے جائیں جو نہایت سرعت کے ساتھ سفر کریں تاکہ دوسرے سیاروں پر زندگی کے آثار تلاش کئے جائیں اور اس روئے زمین پر بسنے والے انسان کا تسخیر کائنات کا خواب پورا ہو سکے اور خدا کی اس خدائی میں انسان جہاں تک پہنچ سکتا ہے اسے پہنچنا چاہیے لیکن سب اسی صورت میں ممکن ہے کہ گلوب پر تمام انسان ایک ہی خاندان کے ایک ہی قبیلے اور ایک ہی ملک کے باشندے تصور کئے جائیں تاکہ جس قدر جلد ممکن ہو انسان دوسرے سیاروں پر اپنی بستیاں آباد کرنے کے قابل ہو سکے۔ بے شک اس کام کا آغاز ہو چکا ہے لیکن جس توجہ اور جن اجتماعی وسائل کو بروئے کار لا کر اس عظیم پراجیکٹ پر کام ہونا چاہیے تھا اس کی تو ابھی ابتداء نہیں ہوئی جو کہ بہت جلد ہونی چاہئے۔

یہ زمین انسان کا گھر ہے اور اب یہ بات انسان کے علم میں آچکی ہے کہ انسان کا یہ گھر کئی اعتبار سے غیر محفوظ ہے پانی حملہ آور ہو جائے تو انسانی جانوں کو خطرہ' بڑے پیمانے پر آگ بھڑک اٹھے تو انسانی جانوں کو خطرہ' زلزلہ آجائے تو انسانی جانوں کو خطرہ' کوئی بیماری پھوٹ پڑے تو انسانی جانوں کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ روز اول سے اتنے سارے خطرات میں گھرے ہوئے انسان نے اپنے جن ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان تمام قدرتی آفات کا مقابلہ کرنا تھا اور ان پر قابو پانا تھا یہ انسان اپنے ان محسنوں ان ساتھیوں کو ہی اپنا دشمن سمجھ کر ان کو ختم کرنے کے لئے ایٹم بم تک بنانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ انسان اور حیوان میں جو چیز امتیاز کا باعث ہے وہ اس کے عقل و شعور کی صلاحیت ہے اور اگر اسی عقل و شعور کے معیار کے مطابق انسان کی ان غیر معقول حرکتوں کا جائزہ لیا جائے تو کیا نتیجہ اخذ ہوگا؟ یہی ناکہ یہ سب کچھ حیوانیت سے بھی بدتر ہے ...... کیونکہ حیوان تو غصے میں آکر اپنے ہاتھ پاؤں کا

Marfat.com

استعمال کرتا ہے اور غصے کا اظہار کا یہی ایک طریقہ ہے اس کے پاس لیکن یہ فہم و فراست کا داعی انسان اتنا بھی نہیں سوچتا کہ اس کے سامان حرب و ضرب کے استعمال سے تو وہ تمام فطری ذرائع حیات جو اس نے خود اپنی طویل جدوجہد اور محنت شاقہ سے مہیا کئے ہوئے ہیں۔ تباہ و برباد ہو جائینگے جب کہ بھوک' بیماری' جہالت اور قدرتی آفات پر قابو پانا انسانی عظمت کا ابتدائی کارنامے ہونے چاہییے تھے' ہو سکتا ہے آپ منہ میں سلور سپون لے کر پیدا ہوئے ہوں لیکن روئے زمین پر تو انسان جن مشکلات کا شکار ہے اور جن عذابوں میں مبتلا ہے اگر آپ اس ساری صورت حال سے آگاہ نہیں ہیں تو یہ بھی آپ کے خوبصورت سفید لباس پر بہت بڑا دھبہ ہے۔

جیسا کہ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ آج روئے زمین پر انسان جن سنگین مسائل کا شکار ہے یہ سب انسان کے ذہنی ارتقاء کی غلط سمت میں آگے بڑھ جانے کی وجہ سے ہو رہا ہے کیونکہ انسانی ذہن میں جو اوصاف وقت کے ساتھ ارتقا پذیر ہونے چاہئے تھے وہ اوصاف بے شک ارتقا پذیر ضرور ہو رہے ہیں لیکن یہ انسان کی بد نصیبی ہے کہ ان مطلوبہ اوصاف کے ہمراہ غیر مطلوبہ اوصاف بھی ارتقائی منازل طے کر کے انسانی عقل و شعور کیلئے مشکلات کا باعث بن رہے ہیں جن سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے اور میرا یہ دعویٰ ہے کہ جس دن انسان نے اپنی اس غلط سوچ سے نجات حاصل کر لی اس کے بعد اس روئے زمین پر انسانی معاشرہ غالباً" غالباً" کچھ اس طرح کی صورت اختیار کریگا کہ آبادی کے اعتبار سے دنیا دو حصوں میں منقسم ہوگی عرض البلد کے اعتبار سے یا طول بلد کے اعتبار سے ایک آبادی سے ایک آدمی صدر چن لیا جائے گا اور دوسری آبادی سے وزیر اعظم چن لیا جائے گا۔ اور یہ دونوں انسان یو این کے صدر دفتر میں بیٹھیں گے۔ تمام ممالک کے وزرائے اعظم کی حیثیت وزرائے اعلیٰ کی ہوگی۔ ساری دنیا کا ایک صدر اور ایک وزیر اعظم ہو گا اور تمام ممالک کے وزرائے اعلیٰ ان کی کمان میں ہونگے پوری انسانی سوسائٹی کی تمام ضروریات کو مساویانہ سطح پر یو این او کے تحت پورا کیا جائے گا۔ ساری نوع انسان ایک خاندان تصور کی جائے گی سونے کی قیمت ہر جگہ برابر کر دی جائے گی تمام کرنسیاں ضرورت کے مطابق

Marfat.com

برابر تصور کی جائیں گی فوجی قوت صرف یو این او کے پاس ہوگی باقی تمام ممالک اپنی انتظامی پولیس کے علاوہ فوجی قوت ختم کر دیں گے تاکہ سب سے زیادہ توجہ انسانی فلاح کی طرف دی جا سکے مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے وقتی تقاضے ہونگے لیکن ان خطوط پر سوچنے اور ایسی صورت حال پیدا کرنے کی پوزیشن میں اس وقت صرف صدر بل کلنٹن ان کا ملک اور وہاں کے اہل عقل و دانش حضرات ہی ہو سکتے ہیں جو کہ باقی ممالک کو ساتھ ملا کر اور اعتماد میں لے کر مطلوبہ ماحول پیدا کر سکتے ہیں۔

یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ موجودہ دنوں میں امریکن معاشرے پر مشتمل علاقے (ریاستیں) متحد ہیں جب کہ روس کی ریاستیں منتشر ہو چکی ہیں اور چونکہ انسانی سوسائٹی میں عہد حاضر میں بڑی تیزی سے ارتقائی عمل جاری ہے اس لئے تھوڑے ہی عرصے بعد قوموں اور ملکوں کے درمیان کئی طرح کے اتحاد کا امکان موجود ہے۔ روس اور چین کے علاوہ باقی تمام معاشروں پر کسی نہ کسی شکل میں آفاقی نظریات کا تسلط موجود ہے لیکن روس اور چین میں جن نظریات کا غلبہ ہے وہ مادی نظریات ہیں جو کہ ہر لمحہ اصلاح و ارتقا پذیر ہیں کیونکہ آخر کار انسان کے پاس مادی نظریات ہی رہ جائیں گے جن میں انسان اپنی ضرورت کے مطابق گاہے بگاہے ترامیم کرتا رہے گا۔ جبکہ آفاقی قوانین میں ترمیم ممکن نہیں ہوتی اور وہ وقت کا ساتھ بھی نہیں دے سکتے اس لئے فسادات کا باعث ہوتے ہیں انسانی سوسائٹی جن عذابوں میں مبتلا چلی آرہی ہے یہ سب غلط سوچ کا نتیجہ ہے' جھوٹی انا کا نتیجہ ہے' انسانوں کے ایک دوسرے سے نفرت کرنے کا نتیجہ ہے' کم علمی اور جہالت کا نتیجہ ہے۔ ان سب عذابوں سے نجات کیلئے مل بیٹھ کر مسائل کا حل تلاش کرنا ہی انسانیت ہے۔ اگر امریکن Community نے یہ موقع ضائع کر دیا تو شاید اسے آئندہ کبھی بھی ایسی صورت حال نہ ملے اور جب تک پوری انسانیت متحد نہیں ہوگی تسخیر کائنات کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔

نابغہ ہائے روزگار

روئے زمین پر انسان نے جب اپنے شعوری راستوں پر چلنا شروع کیا تھا اسی وقت سے ہی ذہانت سے پر دماغ رکھنے والے انسان پیدا ہوگئے تھے کیونکہ ہبوط آدم سے ہی بلندی کی طرف راہیں تلاش کرنے کے شواہد ملتے ہیں اور نوع انسان کو آگہی اور پھر خود آگہی سے ہمکنار کرنے والے نابغہ ہائے روزگار ہی ہوسکتے تھے جنہوں نے انسانی معاشرے میں پیدا شدہ تمام تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر صرف اور صرف انسانی فلاح کی بہت ساری بنیادیں راہیں تلاش کیں۔ یوں تو بے شمار نابغہ ہائے روزگار ہو گزرے ہیں اور ہوتے ہی رہیں گے ہم غائبانہ طور پر تو سب کے شکر گزار ہیں سب کا چونکہ ذکر کرنا یا حوالہ دینا کسی مضمون میں ممکن نہیں ہوتا اس لئے میں اس مضمون کے آخر میں دو طرح کے دانشوروں کا حوالہ دونگا ان میں ایک تو وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے کئی طرح کی ایجادات کے ذریعے نوع انسان کی خدمت کی ہے اور دوسرے وہ شخصیتیں ہیں جنہوں نے اپنی طویل مجاہدانہ ریاضتوں کے ذریعے نوع انسان کو اس کی جہالت اور خوف و ہراس اور وہم و گمان کے اندھیروں سے نکالنے کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں۔

انسانی فطرت میں غور و فکر کی کیا کیا جہات موجود ہیں ان کا شمار اس لئے ممکن نہیں کہ جب تک انسان زندہ ہے اس کی جویا فطرت نئی نئی راہیں اور انوکھی سمتیں تلاش کرتی ہی رہے گی۔ محققین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ انسانی زندگی کے عالم وجود میں آتے ہی بندے کے ذہن میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوگیا تھا جو تحفظ کی جستجو کا باعث بنا اور اس نے اپنے لئے تحفظ کی تلاش شروع کر دی چونکہ انسان اصلاً" نہ رہنے والی چیز ہے اس لئے اسے تحفظ تو نصیب نہ ہوا البتہ اس کی اس جدوجہد کے نتیجے کے طور پر یہ ہوا کہ "تلاش" نے جنم لے لیا جیسا کہ ظاہر ہے جب تک انسان زندہ ہے تلاش بھی جاری و ساری ہی رہے گی۔ یہ بات ہمارے مشاہدات میں ہے کہ انسان نے پتھر کے زمانے سے لے کر اب تک مسلسل ترقی کی ہے اور اس

Marfat.com

ترقی کا باعث بھی وہی جذبہ تجسس یعنی "تلاش" ہی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ انسان نے اپنی طرز بود و باش کے تحت اپنے عیش و آرام کیلئے لاتعداد سہولتیں پورے جمالیاتی اہتمام کے ساتھ پیدا کرلی ہیں جو بلاشبہ technology اور فنون لطیفہ کی بہت ساری شاخوں کی کمال فن کے لئے مسلسل تگ و دو کی رہین منت ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ مذکورہ ترقی تو آئندہ رونما ہونے والے اس ارتقا کی محض ابتدا ہے جو بشری عظمت کے حوالے سے آج کے انسان میں ظہور پذیر ہو رہا ہے میرا اشارہ انسان کی اس خواہش دیرینہ کی طرف ہے جس کے تحت وہ کئی Planets پر اپنی بستیاں آباد کرنا چاہتا ہے۔ یقیناً خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جو اس انسانی ارتقا کی معراج کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

جوہری توانائی جو انسان کی فخریہ دریافت ہے اور اس کے لئے اعزاز کا درجہ رکھتی ہے اس کی روشنی میں سائنس دان حضرات اس جذبہ تجسس کے تحت عناصر کی شکست و ریخت اور آمیزش و اختراج سے کتنی ہی اختراعات اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ ہمارے سامنے لاتے رہتے ہیں اور لاتے ہی رہیں گے جو ایک طرف انسانیت کے لئے نہائت خوش کن پیرائے میں تفریحات (Entertainments) مہیا کرتے ہیں تو دوسری طرف آئے دن کائنات کے مخفی رازوں سے بھی پردہ اٹھاتے رہے ہیں یہ وہ سلسلہ ہائے لامتناہی ہیں جو کبھی ختم نہیں ہونگے بلکہ اب تو یہ احساس جنم لے رہا ہے کہ اس کرہ ارض کی طبعی یا کائناتی زندگی جو کئی کروڑ سالوں پر پھیلی ہوئی بتائی جاتی ہے اس کے اختتام سے پہلے انسان اپنی اس جہد مسلسل کے ذریعے دوسرے سیارگان پر اپنی بستیاں آباد کرنے میں کامیاب ہوجائے گا میں نے اس جہد مسلسل کو سلسلہ ہائے لامتناہی اسلئے کہا ہے کہ تسخیر کائنات کا جو تصور ہے اس میں گزشتہ تین پینتیس سالوں میں اس قدر وسعت آئی ہے کہ انسان تسخیر کائنات کے حوالے سے جن منازل کی طرف بڑھ رہا ہے ان کی کسی حد بندی کا تعین تو درکنار ان منازل کا تصور کرنا بھی ابھی تو اس کی دسترس سے باہر ہے۔

انسانی زندگی کے بڑے بڑے دو حصے ہیں مادی زندگی اور روحانی زندگی اس

Marfat.com

صورت میں مذکورہ بالا سہولتیں صرف مادی زندگی کے متعلق کہی جاسکتی ہیں جبکہ روحانی پہلو کی تسکین کے لئے انسان نے فنون لطیفہ کی طرف رجوع کیا ہے جس میں مصوری' موسیقی' شاعری اور فن تعمیر وغیرہ کے شعبے آتے ہیں جن میں انسان کی ظاہری' باطنی اور جمالیاتی حسیں شعوری اور لاشعوری طور پر بدرجہ اتم کام کرتی ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ مصور اپنے موقلم سے ہزاروں ان دیکھے کوائف قدرت ہمارے سامنے پیش کرتا رہتا ہے' موسیقار کالمس انگشت سرگم کی الٹ پلٹ کر کے آئے دن بے شمار ان سنی دھنیں عالم وجود میں لاتا رہتا ہے' جبکہ روئے زمین پر فن تعمیر کے کمالات دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سب کچھ انسانی ہاتھوں کا کرشمہ نہ ہو بلکہ یہ عالیشان عمارتیں بھی قدرت کے شاہکار گل و گلزار کی طرح زمین کا سینہ چیر کر نمودار ہوگئی ہوں۔ یوں کروڑوں انسان راہ حیات سے گزرتے ہوئے انسانی زندگی کے لئے بیش بہا خدمات سر انجام دے گئے ہیں اور وہ سب کے سب انسانیت کے محسنوں میں شامل ہیں لیکن صراط لیل و نہار کے نابغہ ہائے روزگار مسافروں نے جو کہ بے شک مختلف مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھتے تھے اور رکھتے ہیں' اپنی ایجادات کی صورت میں لوح جہاں پر تمام شعبہ ہائے زندگی میں جو انمٹ نقوش چھوڑتے ہیں ان کے طفیل وہ تمام ہستیاں نوع انسان کے لئے نہ صرف قابل فخر ہیں بلکہ اپنے کارہائے نمایاں کی بدولت آج بھی اپنے اپنے میدان میں قائم و دائم ہیں کیونکہ ان کے اذہان و اجسام کی تمام قوتیں اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے وقف رہیں۔ ان لوگوں میں ایسی ایسی قد آور شخصیتیں ہیں جنہوں نے فن تحریر کے میدان میں بھی اپنی اپنی ایجادات و اختراعات کے ایک لامتناہی سلسلے کا آغاز کیا ہے جس کی روشنی میں آنے والے فنکار اور خلاق بجا طور پر رہنمائی حاصل کریں گے اور مستقبل کے خود پیدا کردہ آلام میں مبتلا انسانوں کے لئے جمالیاتی بوقلمونیوں کے جلو میں اپنی شاہکارانہ نگارشات و نغمات تحریر کرکے ان کے اندرونی کرب کی مسیحائی کرتے رہیں گے۔ لازوال ہیں وہ شخصیتیں جو آنے والی نسلوں کے لئے زندگی کی آسائشوں میں اضافہ اور آلام میں کمی کی کوشش کرتی رہتی ہیں

بلاشبہ ایسے نابغہ ہائے روزگار لوگوں کی صحت مند سوچ اور مثبت سمت میں تگ و دو نوع انسان کو وقت کی شکست و ریخت' انحطاط' افسردگی اور کرب کے بے شمار جاں فرسا تصورات سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں نہیں ہے بلکہ لاکھوں سے بھی زیادہ ہے اس لئے ان سب کا شمار تو مشکل بات ہے لیکن مثال کے طور پر چند افراد کا ذکر کرنا ضروری امر ہے۔ جیسے ۴۶۷ قبل مسیح ایک بت تراش کے بیٹے سقراط نے نہ صرف اپنی بہادری' جوانمردی اور جفاکش طرز زندگی کا عملی نمونہ پیش کیا اور لوگوں سے ان اوصاف کا اعتراف کروایا بلکہ نوع انسان کو ہزاروں توہمات سے نجات دلانے کیلئے ملک میں علم و فضل کی درس گاہیں قائم کیں اور زندگی بھر خود کو اسی مسلک سے وابستہ رکھا۔ اپنے مقدس اصولوں کی جاودانی کیلئے زہر کا پیالہ پی کر جان دیدی لیکن ان سے انحراف نہیں کیا اس نے کہا تھا "دیوتاؤں اور توہمات کی پرستش گناہ ہے۔ جہالت بدی ہے اور علم نیکی ہے" اس بات کو اڑھائی ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن آج بھی روئے زمین پر بہت سارے ایسے علاقے ہیں جہاں کروڑوں انسان جہالت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں جو جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔

قابل احترام ہیں وہ آدم زادے جنہوں نے انسان کی روزمرہ زندگی کی سہولتوں کے طور پر ان گنت اشیاء ایجاد کیں۔ افلاطون نے انسان کو روئے زمین پر رہن سہن کا ایک مکمل اور قابل عمل نظریہ دیا جس سے تمام صاحب دانش افراد نے اتفاق کیا اور جس پر چل کر تمام اقوام عالم بہتر زندگی بسر کر سکتی ہیں وہ نظریہ جمہوریت ہے انسانی اعضا پر تحقیقات میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کرنے والے علم طب کے بے تاج بادشاہ بقراط نے انسانی جسم کی صحت بحال رکھنے کیلئے قابل فخر خدمات سرانجام دے کر نوع انسان پر احسان عظیم کیا تھا۔ ارسطو کی تحقیقات سائنسی میدان میں اس قدر مستند ہیں کہ سائنس دان آج ترقی یافتہ ہونے کے باوجود اس کی مہیا کردہ معلومات کو جدید سائنس کی بنیاد گردانتے ہیں۔ بو علی سینا ۹۸۰ء نے صرف ستاون سال کی عمر پائی جس کے دوران اس نے علم طب کے میدان میں نوع انسان کے لئے حیرت انگیز

کارنامے سرانجام دیئے اس کی صرف ایک کتاب کتاب الشفاء جو ۱۸ جلدوں پر مشتمل ہے علم طب کا انمول خزانہ ہے بو علی سینا عدیم المثال شخصیت کا مالک، فلسفے اور علم طب میں مشرق و مغرب کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایڈیسن ۱۹۳۱ء نے مسلسل چھیتالیس سال کی طویل جدوجہد کے دوران ایک ہزار ایجادات کر کے قابل تحسین کارنامہ سرانجام دیا آفرین کہتا ہوں میں اس مرد مجاہد کو جس نے سالہا سال کی ریاضتوں کے بعد اپنے اندر کی روشنی کو بلب کی صورت میں دنیا کے حوالے کر کے نوع انسان کی تاریک راتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روشن کر دیا۔

Marfat.com

زمین کی طبعی عمر اور انسانی کردار

وقت اور موت کے عنوان کے تحت آپ آخر میں پڑھ چکے ہیں کہ موت سے فرار کی کوشش کرنا بے سود ہے کیونکہ انسان نے جس فطری عمل کا نام موت رکھ رکھا ہے وہ رک نہیں سکتا اگر وہ عمل رک جائے تو آپ کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ پوری کائنات کا دم گھٹ جائے اس لئے موت کے وقت میں تاخیر انسانی اختیار میں (کسی حد تک) ضرور ہے لہٰذا اگر انسان چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نہیں تھے لیکن ہم ہیں اور ہم نہیں ہونگے بالکل۔اسی طرح ہماری یہ زمین نہیں تھی لیکن یہ ہے اور ایک وقت آئے گا کہ یہ نہیں ہوگی ایسی صورت میں انسان کو کیا کرنا چاہیے۔ یہاں بھی وہی بات صادر آتی ہے کہ انسان اس زمین کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے برقرار رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا اور بھی کوئی قوت اس کو برقرار رکھنے کی طاقت نہیں رکھتی کیونکہ جس طرح ہماری اس زمین کا وجود میں آنا فطری عمل کا حصہ ہے اسی طرح اس کا اپنی ہیئت تبدیل کرنا بھی اسی فطری عمل ہی کا حصہ ہے۔ انسان ابھی تو مکمل طور پر یہ ملکہ نہیں رکھتا لیکن عین ممکن ہے کہ مستقبل میں اس قابل ہو جائے کہ اس زمین کی حادثاتی تباہی کی وجوہات کا دفاع کرنے کے قابل ہو جائے اگر ایسا ہو گیا تو انسان ایک لحاظ سے زمین کو حادثاتی موت سے بچا سکے گا مطلب یہ ہے کہ اگر زمین خود یا کوئی اور پلینٹ اپنا محور بدل کر زمین سے ٹکرانے کی کوشش کرے تو زمین کا رخ یا اس پلینٹ کا رخ تبدل کر کے زمین کو محفوظ رکھا جائے۔ لیکن عین ممکن ہے کہ انسان کبھی بھی اس قابل نہ ہو سکے کہ تمازت آفتاب میں شدت پیدا ہو تو خود (کرہ ارض) کو محفوظ رکھ سکے یا تمازت آفتاب میں کمی کی صورت میں زندگی کو بچا سکے۔

روئے زمین پر زندگی اور اس کی بقا' فطری طور پر زمین کی طبعی زندگی میں کمی کا باعث ہے۔ انسان خود کو زندہ رکھنے کے لئے زمین پر جو کچھ کرتا چلا آرہا ہے۔ جو کچھ کر رہا ہے اور جو کچھ آئندہ کرے گا اس کا ہر عمل زمین کی طبعی عمر میں کمی کا باعث ہے لیکن انسان ایسا کرنے پر ایک حد تک مجبور ہے کیونکہ انسانی زندگی کی بقا کے جتنے بھی ذریعے ہیں

Marfat.com

وہ تمام کے تمام انسان زمین ہی سے حاصل کر رہا ہے اور ان ذرائع کا حصول زمین کی طبعی عمر پر برے اثرات مرتب کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر انسان اپنی ضروریات زندگی کے حصول کی خاطر زمین کی بیرونی سطح کو چھلنی کرتا جا رہا ہے۔ تمام دھاتوں، گیسوں اور سیال مادوں کا حصول اور سمندروں کے پانیوں میں بے شمار کثافتوں کی آمیزش سے جو خطرات نظر آرہے ہیں وہ ماحولیات پر برے اثرات ہیں لیکن انسان کے ان افعال کے نتیجے کے طور پر روئے زمین پر فطری عمل میں جو کیمیائی اثرات مرتب ہونگے انسان ابھی ان سے نا آشنا ہے اور چونکہ انسان اپنی زندگی کی سہولتوں میں مزید اضافے کرنے کی دوڑ لگائے ہوئے ہے اس لئے اس کی اس دوڑ کے نتیجے کے طور پر بھی مزید برے اثرات مرتب ہونگے جو زمین کی طبعی عمر میں کمی کا باعث ہی ہونگے کرہ ارض کے گرداگرد جو پرتیں فطری طور پر زمین کو اور عوامل سے محفوظ رکھنے کے لئے پہلے سے موجود چلی آرہی ہیں سائنسدانوں کے مطابق وہ انسانی افعال کے برے اثرات سے متاثر ہو رہی ہیں۔ اتنا کچھ تو اب تک ہو چکا ہوا ہے اور چونکہ انسان کو زندگی کی سہولتیں پیدا کرنے کا جنون ابھی کم نہیں ہو رہا ہے جبکہ یہ راستہ انسان کی تباہی کا غماز تو ہے لیکن وہ اس بات کا احساس کرے تو پھر ہی بات بنے کیونکہ اب تک کی کارروائی سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی ہے کہ انسان زندگی کو جتنا زیادہ پر کشش اور آرام دہ بنائے گا اتنا ہی زیادہ خود کو مسائل میں گھرا ہوا پائے گا اور اس زندگی کے پس منظر میں ان گنت مسائل سر اٹھائیں گے جن کو حل کرنا انسان کے بس کی بات نہیں رہے گی۔ یہ سچائی بھی نہایت قابل یقین ہے کہ تھوڑی سہولتوں کے ساتھ سادہ زندگی گزارنا انسان کا اپنے اختیارات کی کمان میں رہنے کے مترادف ہے اور ایسا کرنے کی صورت میں زمین کی طرف سے جو فرائض انسان پر عائد ہوتے ہیں ان کی ادائیگی میں انسان شرمسار بھی نہیں ہوگا۔ یہ زمین انسان کی ماں ہے جو اسے نہ صرف جنم دیتی ہے بلکہ اس کی پرورش بھی کرتی ہے، اسے تحفظ بھی فراہم کرتی ہے اور جب یہ بے کار ہو کر واپس اس کی طرف لوٹتا ہے تو اسے قبول بھی وہی کرتی ہے۔ ایک طرف زمین کا یہ حسن سلوک اور دوسری طرف انسان کا پہلا اور آخری سہارا ہونے کی وجہ سے اس سے تقاضہ کرتی ہے کہ وہ بھی اس کی حفاظت میں کسی قسم کی کوئی غفلت نہ برتے جبکہ انسان روز اول ہی سے اپنے مسائل میں ایسا الجھا ہوا ہے کہ اپنی مشکلات کو حل کرنے کیلئے ہمیشہ سے ہی زمین کا غلط استعمال ہی کرتا چلا آرہا ہے۔ حالانکہ فی الحال اس روئے زمین کے علاوہ انسان کا کوئی

اور ٹھکانا ہے ہی نہیں۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو یہ کہنا ہی درست نظر آتا ہے کہ انسان جاہل ہے اور ظالم ہے۔

بہرحال آج کا انسان نہ تو ماضی کے انسان کے برابر جاہل ہے اور نہ ہی یہ ماضی کے انسان کے برابر ظالم ہے۔ یہ جو تصور ہے کہ انسان کے افعال کچھ ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے زمین کو نقصان پہنچ رہا ہے یہ بات نہ تو زمین نے بول کر اپنی زبان سے انسان کو بتائی ہے اور نہ ہی کسی آفاقی قوت کی طرف سے کوئی اشارہ ملا ہے کہ انسان کی طرف سے زمین کو نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ یہ مشاہدہ انسان کا اپنا ہی ہے کہ اس کے کام ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے زمین کو نقصان پہنچ رہا ہے اور جب اس کا یہ احساس جاگ اٹھا ہے تو یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ انسان زمین کے حوالے سے اب تک جو غفلت کرچکا ہے اس کا بھی اور آئندہ جو اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کا بھی ازالہ کریگا کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو گویا وہ زندگی میں جیسے اپنا گھر بنا رہا ہے اور مرنے کی صورت میں جیسے وہ اپنی قبر کی جگہ محفوظ کر رہا ہے اور انسان کو ہر حالت میں ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں انسان کو عقل و شعور کا سہارا لینا ہے اور جنگ و جدل کی بجائے اپنے تمام مسائل ٹیبل ٹاک کے ذریعے حل کرنے ہیں اس طرح سامان حرب و ضرب کے تمام کارخانے بھی بند ہو سکتے ہیں اور اربوں گیلن سیال مادے جلا کر جو گرین بیلٹ بنائی جا رہی ہے اس برائی سے بھی بچایا جاسکتا ہے۔ تمام افواج روئے زمین پر اربوں کھربوں پونڈز کا جو نقصان کرتی ہیں ان کو فلاحی کاموں پر لگا کر اس سر زمین کو تباہ و برباد کرنے کی بجائے اسے گل و گلزار بنایا جاسکتا ہے' کیونکہ زمین کو پاک صاف رکھنا' اس کے ماحولیاتی نقائص کو دور کرنا' کم بچے پیدا کرنا' جو پیدا ہوگئے ہیں ان کی تعلیم و ترقی کیلئے جدوجہد اور زمین پر سادہ زندگی گزار کر تسخیر کائنات کے کاموں کی طرف توجہ کرنا انسانی کردار کی عظمت کے ستون ہیں۔ ان ستونوں پر جو عمارت تعمیر ہوگی اس کو میں یونیورس لبارٹری کا نام دیتا ہوں جس میں بیٹھ کر انسان دوسرے سیاروں پر بسنے والے انسانوں سے ہم کلام ہوا کریں گے۔

برصغیر کے سو سال اور تقسیم ہند کے محرکات

ایک ضرب المثل مشہور ہے کہ ہندو جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے بارے میں بہت پہلے سے سوچتا ہے مسلمان جب کوئی کام کرنے لگتا ہے اس وقت سوچتا ہے لیکن سکھ کوئی کام کرنے کے بعد سوچتا ہے۔ میں نے یہ ضرب المثل تقسیم ہند سے پہلے سنی تھی ممکن ہے نئی نسل اس سے واقف نہ ہو۔ میں یہاں اس کا ذکر اس لئے کر رہا ہوں کہ ہندوستان کی تین بڑی بڑی مذہبی جماعتوں سے اس ضرب المثل کا تعلق ہے ممکن ہے یہ تینوں اقوام اسی طرح ہی سوچتی ہوں اس بات سے تو کوئی غرض نہیں البتہ غرض یہ ہے کہ صحیح کون سوچتا ہے اور غلط کون سوچتا ہے اس لئے برصغیر پاک و ہند کے سو سالہ دور کا جائزہ لینے کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان وجوہات کو سامنے لایا جائے جن وجوہات کی پیداوار سو سال پہلے کے حالات تھے تاکہ برصغیر میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی کڑیاں اب تک کے حالات سے بتدریج جڑتی چلی جائیں۔ بات شروع کرنے سے پہلے ایک اور کہاوت کی طرف اشارہ کرتا چلوں تاکہ اس کہاوت کی صداقت کے بارے میں بھی ہمیں معلوم ہوسکے وہ کہاوت یہ ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کو "سونے کی چڑیا" کہا جاتا تھا۔ یہاں ایک سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان کو اگر سونے ہی سے تشبیہ دینا تھی تو سونے کا گھر' سونے کا رندہ یا سونے کا خزانہ وغیرہ بھی کہا جاسکتا تھا آخر سونے کی چڑیا کیوں کہا گیا؟ ان دونوں ضرب المثلوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔

ہندوستان کو تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مختلف اوقات میں بیرونی قومیں ہندوستان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں اور لوٹ مار کر کے واپس چلی جاتی تھیں غالباً" ایک ہزار سال قبل مسیح آریائی خانہ بدوش قبیلوں نے ہندوستان کا رخ کیا اور یہاں کے مقامی باشندوں دراوڑوں کو مار بھگایا اور کچھ کو غلام بنا لیا اور بعد میں تمام لوگوں کو چار ذاتوں میں تقسیم کر دیا اور خود بھی اسی سرزمین کے باشندے ہو کر رہ گئے۔ ہندوستانی لوگوں کی بد نصیبی اور بدبختی کا وہ پہلا دور تھا جس

میں لوگوں کو ذات پات کے عذاب میں مبتلا کیا گیا برصغیر پاک وہند کے عوام آج تک اس عذاب سے نجات حاصل نہیں کر سکے! یہ ایک ایسی بنیادی کمزوری تھی جس کی موجودگی میں لوگوں میں اخلاقی جرات پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ اتفاق سے دراوڑ قوم جنگ جو نہ تھی اور آریا خانہ بدوش بھوکے ننگے لوگ تھے جو کھاتے پیتے لوگوں پر پل پڑے اور سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیا مسلمانوں کے حملوں کے دوران چنگیزیوں کا شکار بھی ہوتے رہے پھر مسلمانوں نے ہندوستان کا ایسا رخ کیا کہ ہمیشہ کیلئے یہاں کے ہوگئے اور پورے برصغیر پر قابض ہوگئے' کئی سو سال تک حکومت کی لیکن جب مسلمان بھی تمدنی اعتبار سے کافی حد تک ہندو تہذیب کا شکار ہوگئے اور ذات پات کے عذاب میں پوری طرح گھر گئے تو اندرونی سازشوں کا شکار ہو کر وہ بھی انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ آریوں نے ہندوستان کو فتح کیا' سکندر نے حملہ کیا اور مار پیٹ کر کے چلا گیا چنگیزی اور تاتاری حملہ آور ہندوستان کو لوٹتے رہے مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا انگریزوں نے ہندوستان کو فتح کیا لہذا جو بھی آیا آسانی سے کامیاب ہوگیا اس لئے اسے سونے کی چڑیا کا خطاب ہی مناسب ہے کیونکہ یہ ہمیشہ ہی مفتوح رہا ہے۔ فاتح کبھی نہیں ہوا اس تاریخی تناظر سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جو قوم فرقوں میں منقسم ہو کر انفرادی مسائل اور تعصب کا شکار ہو جائے اس قوم میں اخلاقی جرات ختم ہو جاتی ہے جیسے میں نے اوپر ذکر کیا ہے ہندو معاشرہ آریائی دور کی تمدنی رسومات سے آج تک گلو خلاصی حاصل نہیں کر سکا کیونکہ انسانوں کی غیر اخلاقی تقسیم کو ہندو کلچر میں اس قدر Routed Deep بنا دیا گیا کہ رفتہ رفتہ وہ رسومات مذہب میں شامل کر لی گئیں اور ایک ہی خطے میں رہنے والے لوگ آپس کی شدید نفرت کا شکار ہو کر رہ گئے۔

دراوڑ جو کبھی برصغیر پر قابض تھے آج تک آریائی حملہ آوروں کے ہاتھوں جرم ضعیفی کی سزا بھگت رہے ہیں آریائی حملہ آور بن کر آئے اور دراوڑوں سے رہن سہن سیکھا اور پھر ایسی رسومات کو جنم دیا کہ آج تک اپنے کیئے کی سزا خود بھی پا رہے ہیں۔ مسلمان حملہ آور ہوئے اور مقامی رنگ میں رنگے گئے آریائی اور مسلمان

دونوں آپس میں دست و گریبان رہے اور انگریز نے آ کر دونوں کو دبوچ لیا۔ ہندوستان کے رہنے والوں نے ڈیڑھ سو سال تک انگریزوں سے جوتے کھائے اور ان کے بوٹ چاٹتے رہے۔ جب ہوش آیا تو آزادی حاصل کرنے کے سلسلے میں ایک آنکھ تو کھل گئی کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کیلئے آزادی کے حصول کی جدوجہد کی جائے لیکن دوسری آنکھ بند ہی رہی جس سے یہ دیکھنا تھا کہ برصغیر میں انگریزوں کے علاوہ جتنے لوگ ہیں وہ سب یہاں کے مقامی ہیں اور ان کو اسی دیس میں رہنا ہے اس لئے سب کے تحفظ کا خیال رکھتے ہوئے انگریزوں سے آزادی حاصل کی جائے۔

اس وقت کے باشندوں میں بے شک اس مثبت سوچ کی تحریک موجود تھی سیاسی سطح پر بھی کچھ لوگ انسانی سوچ کے حامل تھے اور ادبی اعتبار سے ترقی پسند تحریک کا وجود میں آنا بھی برصغیر کے عوام کو انسانی اعتبار سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا مقصود تھا لیکن اس سوچ کے حامل لوگوں کی تعداد بہت کم تھی اور تمام قوموں میں بھیڑ بکریوں کی طرح کثیر تعداد لوگ تھے جو اپنی جہالت کی وجہ سے فرقہ واریت اور مذہبی تعصب کا شکار تھے نتیجہ یہ رہا کہ وہ مثبت سوچ رکھنے والے تھوڑے سے لوگ فرقہ واریت کے تعصبانہ سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ ہندو تہذیب کے ارباب بست و کشاد اپنے تمدنی اور مذہبی تعصب کا شکار ہو کر بھول گئے کہ جو لوگ ہندوستان کی سر زمین پر کم و بیش بارہ سو سال سے رہائش پذیر ہیں وہ ہندوستان ہی کے باشندے ہیں ان کو نہ تو ملک بدر کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی ختم کیا جاسکتا تھا لیکن ہوا یہ کہ وہ ہزاروں سال کی پروردہ غیر انسانی سوچ غالب آگئی اور ہندو فرقوں نے اپنے طور پر خود ہی یہ تصور کر لیا کہ جن مسلمانوں نے ان پر کئی سو سال حکومت کی تھی اب وہ ان پر اپنی مرضی کی حکومت مسلط کر سکیں گے اور ان کو اب غلام بنا سکیں گے دوسری طرف مسلمان پدرم سلطان بود کی غلط فہمی کا شکار تھے اور اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی ہندوستان پر اپنی دوبارہ حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے اور یہ بھول گئے تھے کہ سوائے چند مذہبی رسومات کے جو وہ ادا کرتے تھے باقی ان کا رہن سہن اور تمدنی رسومات سب کی سب ہندوانہ تھیں اور وہ بے شمار فرقوں میں بٹے ہوئے تھے ذات

Marfat.com

پات کے عذاب میں مبتلا ہو چکے ہوئے تھے ان کے قول و فعل میں تضاد پیدا ہو چکا تھا جو آجکل غالباً عروج پر ہے یہ تھیں وہ چند بنیادی وجوہات جن کا ہندوستانی باشندے آج سے سو سال پہلے شکار ہو کر رہ گئے تھے۔

جب ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ قتل کر دیئے گئے تو آزادی کی تحریک جو کہ پہلے سے موجود تھی کچھ زیادہ زور پکڑ گئی جو کہ ایک قدرتی امر تھا لیکن اس وقت آزادی کا مطالبہ اصولی طور پر بے سود تھا کیونکہ جو لوگ اپنے ہزاروں آدمی مروا کر فتحیاب ہوئے تھے وہ کسی قیمت پر کسی محکوم کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں تھے وہ وقت خاموش ہو کر سوچ بچار کرنے اور اپنی قوت کو یکجا کرنے کا وقت تھا جس کیلئے کافی حد تک دونوں قومیں متحد ہو کر وقت کے ساتھ ساتھ کام کرتی رہیں جس کے نتیجے کے طور پر انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر غور کرنا پڑا لیکن جوں جوں وہ وقت قریب آرہا تھا جس میں ہندوستان آزاد ہونے والا تھا یہاں کے باشندوں نے پھر وہی غلطی دوہرائی جو کئی ہزار سال سے بار بار دوہرائی جا رہی تھی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے انگریزوں سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ وہ ہندوستان کو آزاد کریں اس سلسلے میں ہندوں اور مسلمانوں کی بہت ساری تنظیمیں جلسے کرتی تھیں اور آئے دن جلوس نکالتی تھیں ایک بات مجھے اب تک یاد ہے مجلس احرار کا جلسہ تھا جہاں مختلف مقررین انگریزوں کے خلاف تقریریں کر رہے تھے اس جلسے میں کسی نے پنجابی میں ایک نظم سنائی جس کا ایک شعر مجھے ابھی تک یاد ہیں۔

جھنڈا انگریزاں دا وی ہلدا ضرور رہے
رہے وچ ولائت دے تے ساڈے کولوں دور رہے

ایک طرف تو ہندوستان میں رہنے والوں کی مختلف تنظیمیں انگریزوں کے غاصبانہ قبضے کے خلاف جدوجہد کر رہی تھیں اور دوسری طرف مسلمانوں اور ہندوؤں کے ارباب بست و کشاد اپنی اپنی سیاسی پوزیشن مضبوط سے مضبوط تر بنانے کیلئے اپنے اپنے علاقائی تسلط کو ثابت کرنے کی غرض سے غلط بیانی سے کام لے رہے تھے اور تفرقہ بازی کی

Marfat.com

آگ بھڑکا رہے تھے مسلمانوں کا یہ موقف اپنے اندر وزن رکھتا تھا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہاں ان کی صوبائی حکومتیں ہونی چاہئے یہ بات آگے چل کر یہ صورت بھی اختیار کر سکتی تھی کہ جس صوبے میں جس سیاسی جماعت کی اکثریت ہو وہاں وہی جماعت حکومت بنائے جو کہ جمہوری عمل کا حصہ ہے لیکن ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے زعم میں آکر یہ اصولی بات تسلیم کرنے سے بھی انکار کیا اور پھر وہی غلطی دوہرائی جو ہندوستان کے باشندے ہزاروں سال سے دوہراتے چلے آرہے تھے میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اگر مسلمان اکثریت میں ہوتے تو وہ بھی یہ غلطی کرتے کیونکہ لاکھوں سال کی غلط تمدنی سوچ نے انسانی طبقات میں جو علاقائی تعصب ارتقا پذیر ہو رہا ہے پوری انسانیت اس کی لپیٹ میں ہے اسرائیل میرے اس موقف کی دوسری مثال ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ریاست کا قیام ہے جس کو مسلمانوں نے آج تک تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن فلسطینی عوام نے پینتالیس سال میں اپنے ہزاروں نفوس کی قربانی دی ہزاروں معصوم بچے اس غیر انسانی جنگ کی نذر ہو چکے ہیں ہزاروں خوبصورت جوان مارے جاچکے ہیں لیکن اس لڑائی نے سوائے انسانی طبقات میں نفرت پیدا کرنے کے کچھ بھی نہیں دیا اب اگر اتنی طویل تباہی سے فلسطینوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سوائے خون خرابے کے اور جانی اور مال ضیاع کے اس علاقائی تعصب سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے اگر صدیوں سے غلط نہج پر ارتقا پذیر ہونے والی انسانی سوچ اپنے صحیح راستے پر ارتقا پذیر ہو کر یہاں تک پہنچی ہوئی ہوتی تو پینتالیس سال پہلے جب اسرائیلی ریاست روئے زمین پر عالم وجود میں آئی تھی اسی وقت یہی فلسطینی مسلمان اسے تسلیم کر لیتے تو آج اچھے ہمسائیوں کی طرح امن اور سکون کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ اب اگر فلسطینی مسلمانوں نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے تو ان کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ہوگی کہ دونوں ممالک پینتالیس سال تک جن نفرتوں کی آبیاری کرتے رہے ہیں ان نفرتوں سے نجات حاصل کرنے اور ان کی جگہ پیار محبت اور بھائی چارے کی فضا قائم کرنے میں کچھ وقت لگے گا اور رفتہ رفتہ یا سر عرفات کو طرح طرح کے الزامات دینے والوں کی زبانیں بھی بند ہو جائیں گی ویسے یہ کس قدر

Marfat.com

عجیب بات ہے کہ یہودی' عیسائی اور مسلمان اس ایک عقیدے پر تو ایمان رکھتے ہیں کہ یہ تینوں قومیں ایک باپ کی اولاد ہیں لیکن روئے زمین پر ایک دوسرے کا وجود بھی برداشت نہیں کرتے۔ یہ نتیجہ ہے اس غلط سوچ کا جو میرے نقطہ نظر کے مطابق ہزاروں سال تک ایک غلط نہج پر انسانی ذہن میں ارتقا پذیر ہوتی رہی ہے جب تک انسانی ذہن کی نہج درست نہیں ہوگی روئے زمین پر کبھی بھی پرسکون ماحول پیدا نہیں ہوسکتا۔

آریائی تہذیب کے تحت ہندوستان میں رہنے والے عوام کو جب چار فرقوں میں تقسیم کیا گیا تو ان میں پہلے نمبر پر برہمن طبقہ تھا دوسرے نمبر پر کشتری طبقہ بنایا گیا تیسرے نمبر پر ویش اور چوتھے نمبر پر شودر آتے ہیں جو ہند کے قدیم باشندے دراوڑ تھے۔ اعلیٰ ذات برہمن ہیں جو پیدائشی طور پر اعلیٰ نسل تصور کئے جاتے ہیں اور تمام حاکم عہدوں پر فائز ہوتے تھے اور یہی نسل سیاہ و سفید کی مالک سمجھی جاتی تھی دوسرے نمبر پر کشتری ہیں جو فوج کے فرائض ادا کرتے اور برہمن نسل کے ماتحت عہدوں پر کام کرتے تھے تیسرے نمبر پر ویش آتے ہیں جو تجارت اور زراعت پیشہ ہوتے تھے اور چوتھے نمبر پر شودر ہوتے تھے جو سور پالتے تھے اور گھر گھر جا کر ان کے سور سارے گھر کا گند اور گھر والوں کی غلاظت کھا جاتے تھے اور شودر بعد میں صفائی کرتے تھے لیکن جب مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے تو وہ سور سے بہت نفرت کرتے تھے انہوں نے سوروں کا گھروں میں آنا بند کروادیا اور صفائی کا سارا کام اس وقت سے لے کر آج تک شودر ہی کرتے چلے آرہے ہیں جن شودروں نے اسلام قبول کرلیا وہ اس پیشے سے دست بردار ہوگئے اور جب انگریز آئے تو کچھ شودروں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا وہ Christian ہوگئے لیکن صفائی کا کام اب تک کر رہے ہیں۔ یہ چوتھا طبقہ شودر باقی تینوں طبقوں کا ظلم بھی برداشت کرتا اور ان کی خدمت بھی کرتا تھا کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقے میں شادی نہیں کر سکتا تھا لیکن برہمن ذات کے عیاش طبع لوگ چوتھے طبقے کی حسین لڑکیاں اٹھا لیا کرتے تھے اس لئے وقت کے ساتھ ساتھ نسلی خالص پن خراب ہوتا رہا اور برہمن طبقہ اپنے ہی لوگوں پر اتنا زیادہ ظلم کرتا رہا جس

Marfat.com

کی نوع انسانی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ ہندو تہذیب آج تک اپنے جن مذہبی رہنماؤں کی مورتیاں بنا کر ان کی پوجا کرتی چلی آرہی ہے ان تمام رہنماؤں کی زندگیاں بھی جنگ و جدل سے بھرپور نظر آتی ہیں اور یہ تمام لڑائیاں کسی بھی بیرونی طاقت کے خلاف نہیں لڑی گئی تھیں بلکہ ایک ہی مذہبی تہذیب کے ماننے والے آپس میں لڑ لڑ کر ہزاروں سال تک ہلکان ہوتے رہے۔ کئی کئی سال جنگ کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور آپس میں ہی لڑ مرتے تھے اور اس لڑائی کی بنیاد ذیل کی تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ہوتی اور پھر بڑھتے بڑھتے تینوں باتیں اکٹھی ہو جاتیں وہ تین باتیں یہ ہیں عورت' انا اور علاقہ۔ پہلی وجہ زیادہ تر عورت بنتی پھر وہ بات کسی کی انا کا مسئلہ بن جاتی اور پھر وہ راجدھانی کے حصول کا مسئلہ بن جاتی اور جنگ و جدل کا بازار ایسا گرم ہوتا کہ جب تک آخری سپاہی تک دونوں طرف کے جنگجو ختم نہ ہو جاتے امن چین نہ ہوتا ویسے تو دنیا کی تمام قومیں خون خرابے میں برابر کی شریک ہیں جیسے مسلمان آج تک آپس میں لڑنے مرنے کا دھندا شروع رکھے ہوئے ہیں اور مغربی اقوام کے درمیان گریٹ وار (Great War) کے اثرات آج بھی موجود ہیں لیکن ہندو تہذیب کے اندر آپس میں جو یدھ ہوتے رہے تاریخ عالم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کیونکہ فرعونوں اور بادشاہوں کے ظلموں کا تقابل ان سے اس لئے نہیں ہو سکتا کہ فرعونوں اور بادشاہوں کے ظلم کی نوعیت مختلف تھی البتہ ان دونوں صورتوں میں قدر مشترک انسان کی فطری وحشت ہے۔ جس سے انسان کو کبھی نجات نہیں ملی۔

محمد بن قاسم ۷۱۲ء سے لے کر بہادر شاہ ظفر ۱۸۵۷ء تک مسلمان کسی نہ کسی شکل میں ہندوستان پر حکمرانی کرتے رہے لیکن ہندوستان والے نہ تو ان پر غالب آ سکے اور نہ ہی ان کو اپنے ملک سے نکال باہر کر سکے اس کی صرف اور صرف ایک ہی وجہ تھی کہ ہندو تہذیب اپنے ذاتی کرب' ذات پات کے ناسور میں مبتلا ہو چکی تھی جس کے اثرات آج بھی برصغیر پاک و ہند میں ذات برادری کی صورت میں موجود ہیں اس طبقاتی ذلت نے ہندو تہذیب کو کبھی پنپنے کا موقعہ نہیں دیا ایسے طویل ترین حالات قوموں کو بزدل اور مکار بنا دیتے ہیں جس کا مظاہرہ ہزاروں سال سے برصغیر میں ہوتا

Marfat.com

چلا آرہا ہے ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا نیشنل کانگرس کا قیام آزادی ہند کا خوبصورت آغاز تھا لیکن اگر ہندو تہذیب تنگ نظری کا مظاہرہ نہ کرتی تو ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا آج برصغیر کا علاقہ اس لئے پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ ہے کہ اس کے اس طرح ٹکڑے کئے گئے ہیں جس طرح ماضی میں ہندوستان کئی راجدھانیوں میں بٹا ہوا تھا جو ہر وقت ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے اب جو صورت حال ہے یہ اس بات کی آئینہ دار ہے کہ برصغیر مزید ٹکڑوں میں تو بٹ سکتا ہے لیکن متحد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں کی سپر طاقت انڈیا وقت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر کمزور ہمسائیوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی پالیسی اختیار کرنے کی طرف مائل نہیں ہو رہی ہے جبکہ حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمسایہ ممالک کے ساتھ تو درکنار دور کے ممالک کے بارے میں بھی غلط بات نہ کی جائے اور امن و آشتی کی روش اپنائی جائے تاکہ انسانی سوسائٹی آپس میں لڑنے کی بجائے قدرتی آفات کا مل جل کر مقابلہ کرے جو انسان کی ازلی دشمن ہیں۔

ABRE - REHMAT LIBRARY
No.....................
Date....................
GUJRAT, KARACHI

Marfat.com

حرفِ اوّل سے
اقتباس.

غیاث چودھری صاحب کی تازہ فکری کاوش "کائنات اور ہم" ایک ایسی کوشش ہے جو عہد حاضر میں کئی اعتبار سے نہ صرف انفرادیت کی حامل ہے بلکہ یہ کتاب کئی لحاظ سے بہت اہم بھی ہے جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مضامین کا تنوع ہے۔ انسانی تاریخ، علمیات، تصوف، حقوق نسواں اور سائنسی موضوعات کے ساتھ ساتھ۔انہوں نے تعلیم، فلسفہ، سیاسیات اور وقت اور موت جیسے ادق مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔ جس سے انسانی مسائل پر ان کی مضبوط گرفت کا احتمال ہوتا ہے۔ دراصل یہ کتاب ان کے مضامین اور مقالات پر مشتمل ہے جو گزشتہ برسوں مختلف جرائد و رسائل میں وقتاً" فوقتاً" شائع ہوتے رہے ہیں۔ اخبارات کے توسط سے ان کے خیالات بیرون ملک پاکستانیوں تک بھی پہنچے اور انہوں نے خط و کتابت کے ذریعے ان سے کئی استفادات بھی کئے جو کہ اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ دیار مغرب میں رہنے والے پاکستانیوں کو ان کا سائنسی طریق فکر پسند آیا ہے "کائنات اور ہم" غیاث صاحب کے پختہ اور ترقی یافتہ فکر کی غماز ہے جس کی بے شمار جہتوں میں فکر و خیال کی وسعتیں قارئین کو بے خوف و خطر غور و تامل پر اکساتی ہیں ڈاکٹر وزیر آغا غیاث چودھری کے بارے میں کہتے ہیں "مکاں سے لامکاں تک ان کا سفر اور خاک سے افلاک تک ان کی پرواز اپنے اندر طلب کی جس صداقت اور عبادت کے جس استغراق پر محیط ہے وہ غیاث چودھری ہی کا حصہ ہے" اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مکاں سے لامکاں اور خاک سے افلاک تک غیاث چودھری کی مشاقانہ اور ان تھک پرواز کا نام "کائنات اور ہم" ہے۔

ڈاکٹر نعیم احمد

Marfat.com